تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۲۸۲ مجلد مع گردپوش، قیمت صر

پتہ: مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد دہلی

یہ کتاب ایشیا کی آخری نوآبادیات کے متعلق بعض سوویٹ مصنفین کے مضامین کا مجموعہ ہے، اس کا انگریزی ترجمہ ۔۔۔ میں شائع ہوا تھا، یہ اس کا اردو ترجمہ ہے، اس میں اس وقت کی عرب ریاستوں کویت، بحرین، اور عدن وغیرہ اور مشرق بعید میں ہانگ کانگ، سنگاپور، برٹش بورنیو اور سراوک کی برطانوی اور گوا، دیو، دمن اور مکاؤ کی پرتگالی مقبوضات اور مغربی ایریان کی ڈچ نوآبادی کا ذکر اور ان پر استعماری طاقتوں کے تسلط کی روداد، ان کا محل وقوع، آبادی، مذہب، جغرافیائی حالات، تجارتی و جنگی اہمیت، ذرائع پیداوار، سیاسی، صنعتی، زرعی، اقتصادی اور نظام حکومت کے حالات کے ساتھ حریت و آزادی کی تحریکوں اور انقلابی جماعتوں کی کوششوں کا مبصرانہ جائزہ لیا گیا ہے، لیکن اس کے مصنفین اشتراکی ہیں، اس لیے ان کے نقطۂ نظر کی بھی اس میں جھلک آگئی ہے، اس کتاب میں جن نوآبادیات کا ذکر کیا گیا ہے اُن میں سے بعض اب آزاد اور بعض کی نوعیتیں تبدیل ہو چکی ہیں، لیکن اس سے اس کی افادیت میں فرق نہیں آتا، اسرار احمد صاحب نے اس کا سلیس ترجمہ کرکے اردو میں ایک مفید کتاب کا اضافہ کیا ہے،

برزخ کی باتیں۔ مرتبہ جناب عبد الحیٔ فاروقی صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۸۰ قیمت ۱۲ ر پتہ حرم بکڈپو پاٹا نالہ لکھنؤ ۳

مولانا عبد المومن صاحب فاروقی مرحوم سابق مدیر النجم و حرم و آفتاب نے اس کتابچہ میں برزخ کی زندگی کے متعلق بزرگان امت کے موثر اور نصیحت آموز خواب اور مکاشفات کو مختلف معروف و غیر معروف کتابوں سے جمع کیا ہے، حوالہ میں صرف کتابوں کا نام درج ہے، اگر مولانا کے فرزند اور کتابچہ کے مرتب عبد الحیٔ فاروقی صاحب جلدوں اور صفحات کی تعیین بھی کر دیتے تو اس کے استناد میں اور اضافہ ہو جاتا۔

"ض"

جلد ۱۰۱۔ ماہ صفر المظفر ۱۳۸۸ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۶۸ء۔ عدد ۵

مضامین

مقالات

باب التقریظ والانتقاد

شذرات

مسلم یونیورسٹی کا بل غالباً جلد ہی پارلیمنٹ میں پیش ہونے والا ہے، یہ حسنِ اتفاق ہے کہ اب حکومت کو مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی اور انکی شکایتوں کا احساس ہو گیا ہے، اس نے برملا اس کا اعتراف کیا ہے اور اسکی تلافی پر آمادہ نظر آتی ہے، اگر یہ تاثر وقتی اور کسی مصلحت کی بنا پر نہیں ہے تو اسکا سب سے بڑا امتحان مسلم یونیورسٹی کا مسئلہ ہے، فسادات میں کثیر جانی و مالی اتلاف کے باوجود مسلمانوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچا ہے جتنا مسلم یونیورسٹی کی ہیئت بدل دینے سے پہنچے گا، وہ مسلمانوں کی تقریباً ایک صدی کی کمائی اور انکے ذہن و دماغ کا سرچشمہ ہے اسکی روح بدل دینے سے یہ سرچشمہ خشک ہو جائیگا اور مسلمانوں کی صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع نہ ملے گا، کسی قوم کی تعمیر و بقا محض رسمی مروجہ تعلیم سے نہیں ہوتی بلکہ اسکی ملی خصوصیات اور تہذیبی روایات کے مطابق اسکی تعلیم و تربیت پر موقوف ہے جو صرف اپنی قومی درسگاہ میں حاصل ہو سکتی ہے، اسی لیے ہندوستان کے دستور میں اقلیتوں کو انکی مرضی کے مطابق تعلیم گاہیں قائم کرنے کا حق دیا گیا ہے، ہندوستان میں تنہا مسلم یونیورسٹی ہی وہ ادارہ ہے جہاں مسلمان اپنی تہذیب روایات کے مطابق تعلیم و تربیت حاصل کر سکتے ہیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اسکی خصوصیات اور اس کا کردار قائم رکھا جائے۔

اس سے قطع نظر خالص تعلیمی نقطۂ نظر سے بھی اس کردار کو قائم رکھنا ضروری ہے، یہ صحیح ہے کہ دوسرے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے دروازے مسلمانوں پر بند نہیں ہیں لیکن ان میں داخلہ ہر طالبعلم کیلئے آسان نہیں ہے، جو روزانہ کا تجربہ ہے، دوسرے مسلم یونیورسٹی میں مسلمان طلبہ کو جو سہولتیں حاصل ہیں وہ دوسری یونیورسٹیوں میں نہیں ہیں، جو غریب ہونہار طلبہ دوسری یونیورسٹیوں کے تعلیمی مصارف برداشت نہیں کر سکتے وہ مسلم یونیورسٹی کی سہولتوں سے فائدہ اٹھا کر تعلیم حاصل کر لیتے ہیں، جو کسی دوسری یونیورسٹی میں ممکن نہیں ہے، اسلیے کسی ہونہار طالبعلم کا محض غربت کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جانا ایک قومی نقصان ہے، اسلیے مسلم یونیورسٹی کا بل ایسا ہونا چاہیے جو ان تمام اغرا

کو پورا کر سکے، یہ نہیں کہا جاتا کہ اسکو مذہبی مدرسہ بنا دیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اسکا اقلیتی کردار قائم رکھا جائے، اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب یونیورسٹی کا نظام مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہے، اور انکی موثر حیثیت قائم رہے، حکومت کا اس میں کم سے کم دخل ہو، کورٹ کے ممبروں کا انتخاب کورٹ ہی کے اختیار میں رہے، کورٹ اور دوسری انتظامی مجالس میں حکومت کے نامزد کردہ ممبروں کی تعداد کم سے کم ہونی چاہیے، یونیورسٹی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کی کم سے کم دو تہائی اکثریت اور اس کے کلیدی عہدے مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہنے چاہئیں، اس کے بغیر یونیورسٹی کا اقلیتی کردار قائم نہیں رہ سکتا۔

سیکولرزم ہندوستان میں ایسی بے پناہ چیز ہے جس کی آڑ میں ہر چیز روا سمجھی جاتی ہے، حالانکہ سیکولرزم کا تعلق صرف حکومت سے ہے، یعنی وہ کسی مذہب اور فرقہ کی نمایندہ نہیں ہے، اسکی نگاہ میں سب کے حقوق برابر ہیں، اسکو زندگی کی ہر چیز پر چسپاں کرنے کے کوئی معنی نہیں، مسلم یونیورسٹی یا دوسری قوموں کے تعلیمی اداروں کی سیکولرزم کے صرف یہ معنی ہیں کہ انکے دروازے کسی فرقہ پر بند نہیں ہیں، ہر فرقہ ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، جو مسلم یونیورسٹی میں ہمیشہ سے تھا اور آج بھی ہے، یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اس میں اور دوسری یونیورسٹیوں میں کسی حیثیت سے کوئی فرق نہیں ہے، اور مسلم یونیورسٹی پر بھی سب کا حق برابر ہے، مسلمانوں کو کوئی ترجیحی حق حاصل نہیں ہے، اگر ایسا ہے تو پھر دستور میں اقلیتوں کے اپنی درسگاہوں کے قیام کے حق اور ان کے مذہب و زبان وغیرہ کے تحفظ کی دفعات بے معنی ہیں، اور یہی حق دوسرے فرقوں کے اداروں کو بھی حاصل ہونا چاہیے۔

مسلم یونیورسٹی کے کردار کا قائم رکھنا خود حکومت کے لیے بھی مفید ہے، مسلمانوں کے معاملات میں اسکی سیکولرزم کا سب سے بڑا نشان مسلم یونیورسٹی ہی ہے، ہندوستان میں اسلامی ملکوں کے جو سربراہ اور بڑی شخصیتیں بھی آتی ہیں ان کو یہ نشان ضرور دکھایا جاتا ہے، اس لیے یہ بڑی منافقت ہوگی کہ اسکی روح تو نکال لیجائے اور ضرورت کے وقت بیرونی مسلمانوں کو ایک مصنوعی ڈرامہ دکھایا جائے، اگر حکومت مسلمانوں کی شکایتیں واقعۃً دور کرنا چاہتی ہے تو اس کو ٹھنڈے دل سے مسلم یونیورسٹی کے مسئلہ پر غور کرنا چاہیے، اس میں سپریم کورٹ کا

فیصلہ حائل نہیں ہو سکتا، وہ ایک خالص قانونی پہلو کا فیصلہ ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یونیورسٹی کا کردار ختم کر دیا جائے جو چیز انگریزوں کے زمانہ سے مسلّم چلی آرہی ہو، اور جسکا خود ہماری حکومت بار بار اعتراف کر چکی ہو اسکو بدلنا اس کیلئے مناسب نہیں ہے، مسلمان اس سے کبھی مطمئن نہیں ہو سکتے، اسلئے ہم کو امید ہے کہ حکومت آیندہ پیش ہونے والے بل میں مسلم یونیورسٹی کے کردار کو قائم رکھنے کی کوشش کریگی، صرف اتنی سی بات سے وہ مسلمانوں کا دل جیت سکتی ہے۔

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز دہلی علمی حلقہ میں متعارف ہو چکا ہے، اسکا ذکر ان صفحات میں بھی آچکا ہے، اب اس نے ایک مفید کام کی طرف قدم بڑھایا ہے، اسلامی علوم و فنون پر لکھنے والے مسلمان مصنفین کو ایک بڑی دقت یہ پیش آتی ہے کہ وہ خون جگر کھا کر کتاب بھی لکھیں، اسکی طباعت و اشاعت کا بھی سامان کریں، پھر "من قماش فروشِ دلِ صدپارۂ خویشم" کی بھی صدا لگاتے پھریں یہ جوہر مصنف کے امکان میں نہیں ہے، اسلئے انسٹی ٹیوٹ نے طے کیا ہے کہ وہ اسلامیات پر نئی محققانہ تصانیف اور قدیم مصنفین کی اہم ایڈٹ شدہ ایسی کتابوں کو جو اسکے معیار پر پوری اتریں گی اور جنکو خود مصنفین و مرتبین شائع نہیں کر سکتے، انسٹی ٹیوٹ شائع کریگا، ان میں انگریزی کتابوں کو ترجیح ہوگی، اسلئے جو مصنفین اپنی تصانیف کی اشاعت چاہتے ہوں وہ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، پنچکویان، روڈ نئی دہلی سے خط و کتابت کریں۔

پاکستان اور ہندوستان کے تاجران کتب میں یہ وبا عام ہے کہ وہ ایک دوسرے ملک کی کتابیں چھاپ لیتے ہیں جس سے مصنفین اور اداروں کو سخت نقصان پہنچتا ہے، معلوم ہوا ہے کہ دارالمصنفین کی کئی کتابیں پاکستان کے تاجروں نے چھاپ لی ہیں، ایک صاحب نے اقبال کامل کا ایک نسخہ ہمارے پاس بھیجا ہے، اس کو مکتبۂ ادب اردو، اردو بازار لاہور نے چھاپا ہے۔ ہندستان کے اسلامی ادارے یوں ہی مشکلات میں مبتلا ہیں، پاکستان کے خودغرض تاجر انکو اور بھی تباہ کرنا چاہتے ہیں، اس سے پہلے بھی بعض تاجروں نے اس قسم کی حرکت کی تھی، اس وقت خود پاکستان کے پریس نے ان کو آڑے ہاتھوں لے لیا تھا، خاص طور سے شورش کاشمیری صاحب نے اس میں بڑا کام کیا تھا، اب وہ غریب خود پریشان ہیں، مگر ہم کو امید ہے کہ لاہور کے دارالمصنفین کے قدردان اصحابِ قلم اس کے خلاف پوری قوت سے لکھیں گے، اگر ہماری آواز حکومت پاکستان کے کانوں تک پہنچ سکتی ہے تو اس سے بھی اس زیادتی کی فریاد ہے۔

مقالات

بشاراتِ مظہریہ

از

جناب عبدالرزاق صاحب قریشی اڈوریسرچ انسٹی ٹیوٹ انجمن اسلام بمبئی

بشارات مظہریہ میرزا جانِ جاناں مظہر (م ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء) کے ایک مرید (مولوی) نعیم اللہ بہرائچی (م ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء) کی تصنیف ہے۔ اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم (لندن) میں محفوظ ہے۔ تبصرہ نگار کو اس کے علاوہ کسی اور نسخہ کا علم نہیں۔ زیر تبصرہ نسخہ کے اوراق کی تعداد ۲۰۹ ہے۔ ورق ۲۱۰ سے ۲۱۲ تک میرزا صاحب کے نامور مرید قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء) کی ایک تصنیف سیف المسلول کے چند اوراق ہیں، اس طرح اوراق کی کل تعداد ۲۱۲ ہے۔ مخطوطہ کی کتابت بدھ کے دن ۱۰ محرم الحرام ۱۲۰۷ھ / ۲۹ اگست ۱۷۹۲ء کو تمام ہوئی۔ خط نستعلیق اور پاکیزہ ہے۔

کتاب کا سبب تالیف خود مصنف نے یہ بتایا ہے کہ جب میں خانقاہ مظہریہ میں مقیم تھا[1] تو "چناں بخاطر ریخت کہ بموجب مالا یدرک کلہ لایترک کلہ بعضی از جواہرات کلماتِ نفیسہ کہ

---

[1] مولوی نعیم اللہ ۱۱۸۹ھ / ۱۷۷۵ء میں میرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے (بشارات مظہریہ ق ۲) اور کامل چار سال ان کی خدمت میں گذارے (معمولات مظہریہ، دیباچہ از ابوالحسن، ص ۳)

در خلال مجالس متبرکہ مذکور می شد در سلک تحریر باید آورد و شمۂ از فضائل بعض مشائخ طریقۂ مجددیہ کہ گاہ گاہ از زبان الہام ترجمان ارشاد می شد در ذیل ایں باید نوشت تا سرمایۂ نجات دنیا و آخرت فقیر گردد و افادۂ آں بیاران طریقت نیز رسد ......

بنابریں فوائد چند من ملفوظات ..... حضرت میرزا جان جاناں مظہر ..... صورت ارتسام پذیرفت و ایں یواقیت بی بہا و ایں درر کبریا باسم بشارات مظہریہ در فضائل حضرات طریقۂ مجددیہ مسمی گشت۔"[1]

مخطوطہ کی ابتدا میں اس کا نام "کتاب مقامات مظہریہ" لکھا ہوا ہے، لیکن اس داخلی شہادت کے بعد "بشارات مظہریہ" ہی کو اس کا صحیح نام ماننا ہوگا۔

کتاب کی تکمیل کے بعد مصنف نے اس کو میرزا صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ انھوں نے اس پر بعض اصلاحیں بھی دیں، لیکن جب خرقۂ اجازت و ارشاد حاصل کرنے کے بعد وہ (۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء میں) اپنے وطن بہرائچ کو لوٹنے لگے تو میرزا صاحب نے انھیں اس کی اشاعت سے منع کیا اور فرمایا کہ میرے حالات اس لائق نہیں ہیں کہ انھیں ضبط تحریر میں لایا جائے یا بطور ملفوظات و مقامات لکھا جائے، اس لیے عقیدت مند مرید نے اس مسودہ کو ضائع کردیا، مگر ان اجزا کو جو میرزا صاحب کی نظر سے گذر چکے تھے "تبرک و پاس ادب" کی نیت سے اپنے پاس محفوظ رکھا۔[2] ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹-۹۰ء میں جبکہ مصنف نے زندگی کی پچاس منزلیں طے کرلی تھیں، باقی ماندہ اجزا، ان کے بعض اخوان طریقہ کی نظر سے گذرے، انھوں نے ان کو پسند کیا اور ان سے سماجت کی کہ جو اجزا ضائع کر دیے گئے ہیں وہ انھیں دوبارہ لکھ دیں۔ (مولوی) نعیم اللہ نے ان کے اصرار سے مجبور ہوکر استخارۂ مسنونہ کیا اور کتاب کی ترتیب و تکمیل میں لگ گئے۔[3]

[1] بشارات مظہریہ، ق ۲ الف و ب [2] ایضاً ق ۲ ب [3] ایضاً ق ۱۲

یہ بتانا مشکل ہے کہ اس کی تکمیل کب ہوئی۔ مخطوطہ کے خاتمہ پر "تمّم تحریر کتاب" کی تاریخ "المحرم الحرام ۱۲۰۷ھ/ ۲۹ راگست ۱۷۹۲ء" درج ہے، اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اس کی تکمیل تین سال کے اندر اندر ہوگئی تھی۔

مصنف کی ایک اور کتاب اسی موضوع پر "احوال و معمولات میرزا مظہر" "معمولات مظہریہ" ہے جو ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸-۵۹ء میں طبع ہوکر شائع ہوچکی ہے۔ اس میں تکملہ کے عنوان سے انھوں نے جو عبارت لکھی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰-۹۱ء میں مکمل ہوگئی تھی۔[1] بشارات مظہریہ کے بہت سے مندرجات اس میں آگئے ہیں مثلاً ذکر تولد، وجہ تسمیہ، ذکر نسب، ذکر کسب سلوک، ذکر سلسلۂ مشائخ وغیرہ۔

میرزا مظہر کے ایک دوسرے اہم مرید شاہ غلام علی (م ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴-۲۵ء) نے مقامات مظہری کے نام سے ایک کتاب اسی موضوع پر لکھی ہے جو ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱-۹۲ء میں چھپ کر شائع ہوچکی ہے۔ اس میں بشارات مظہریہ سے کافی استفادہ کیا گیا ہے اس کا اعتراف خود مصنف نے کتاب کے دیباچہ میں ان الفاظ میں کیا ہے:

"ایں رسالہ ایست مختصر و منتخب از کتاب مستطاب کہ ..... حضرت مولوی نعیم اللہ مرشدنا ..... در احوال سیدنا و مرشدنا ..... حضرت میرزا جان جاناں رضی اللہ تعالی عنہ و احوال خلفائے ایشان نوشتہ منت بر دل و چشم مخلصاں نہادہ اند۔ فقیر بعض مطالب از آں انتخاب نمودہ و آنچہ خود بیاد داشتہ بآں افزودہ دریں اوراق درج ساخت۔"[2]

بشارات مظہریہ سے میرزا صاحب کی زندگی کے متعلق بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں،

[1] (مولوی) نعیم اللہ بہرائچی، معمولات مظہریہ، کانپور مطبع نظامی، ۱۲۷۵ھ ص ۱۴۴

[2] شاہ غلام علی، مقامات مظہری، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۰۹ھ، ص ۳

جن کا علم مذکورہ بالا دونوں کتابوں سے یا دوسرے ذرائع سے نہیں ہوتا، اس لیے اس کا تعارف اہل علم کے لیے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

بشارات مظہریہ "مقدمہ و مقصدین و خاتمہ" پر مشتمل ہے۔

مقدمہ میں مصنف نے بتلایا ہے کہ کتاب کی اشاعت سے ان کے پیرومرشد حضرت میرزا مظہرؒ کی ممانعت کا سبب بظاہر نسبت فنا کا ظہور رہا ہوگا، اور اس سلسلہ میں انھوں نے نسبت فنا کے ظہور سے متعلق چند بزرگوں کے واقعات لکھے ہیں۔

مقصدین :-

مقصد اول مندرجۂ ذیل پانچ ابواب پر مشتمل ہے:

باب اول :- در ذکر تولد و توطن و وجہ تسمیۂ آں حضرت

" دوم :- در ذکر نسب آں حضرت

" سوم :- در ذکر کسب سلوک آں حضرت

" چہارم :- در ذکر سلسلۂ مشائخ آں حضرت

" پنجم :- در ذکر احوال بعضی مشائخ طریقت آنحضرت

مقصد دوم میں مندرجۂ ذیل چھ ۶ ابواب ہیں :-

باب اول: در ذکر سیر و احوالِ آنحضرت

" دوم : کلمات قدسیۂ آنحضرت بطریق وصایا بیاران مخصوص، نوشتہ و فرمودہ

" سوم: در ذکر مکشوفات و تدقیقات آنحضرت

" چہارم: در ذکر خوارق عادات آنحضرت

" پنجم : در ذکر شہادت آنحضرت۔

خاتمہ :-

خاتمہ میں میرزا صاحب کے فارسی اشعار کا انتخاب ہے۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، بشارات مظہریہ سے میرزا مظہرؒ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق بعض نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں، اس لیے اجمالاً ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

تعلیم و تربیت | میرزا صاحب کو درسی اور متداول علوم کے علاوہ آداب بادشاہی، فن سپہگری، اور دوسرے متداول فنون کی بھی تعلیم دی گئی تھی۔[۱] اس سلسلہ میں بشارات مظہریہ سے مندرجۂ ذیل نئی باتوں کا علم ہوتا ہے:

خود میرزا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے چودہ[۱۴] سال بانک اور پٹے کا فن حاصل کیا، اور اس میں مہارت بہم پہنچائی، اگرچہ یہ فن فقیروں اور درویشوں کے شایان شان نہیں لیکن اگر اسے حفاظتِ نفس کی خاطر حاصل کیا جائے تو کوئی مضائقہ بھی نہیں، چنانچہ اس فن کی بدولت میں ہمیشہ گزند سے محفوظ رہا، مگر میں نے اپنے ہاتھ سے کسی کو قتل نہیں کیا۔[۲]

ایک بار میرزا صاحب نے جہاد میں شرکت کی اور عین معرکہ کے درمیان ایک غزل لکھی جس کو شیخ سرفراز علی خاں نے جو لشکر اسلام کے امیر تھے، بہت پسند کیا اور ان کی جرأت و شجاعت کی داد دی اور کہا کہ شجاعت عبارت ہے معرکہ کے وقت اجتماع حواس و ثبات قدم سے۔ غزل مذکور کا مطلع تھا:

این فتح و انبام نگاہت نوشتہ ایم دل را ہلاک چشم سیاہت نوشتہ ایم[۳]

یہ غزل مرزا صاحب کے دیوان میں نہیں ہے۔

مقاماتِ مظہری میں بھی مختصراً اس جہاد اور غزل کا ذکر ہے اور خود میرزا جانجاناں کی زبان سے

---

[۱] شاہ غلام علی، کتاب مذکور، ص ۱۵ [۲] بشارات مظہریہ، ق ۶ ب [۳] ایضاً ق ۷ ب

اس سے نہ صرف مندرجۂ بالا بیان کی تائید ہوتی ہے بلکہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ غزل کہنے کا محرک کیا تھا، انھوں نے فرمایا کہ ایک بار میں جہاد میں شریک ہوا، تیروں کی بوچھار اور نیزوں کے وار ہو رہے تھے کہ میرے پاس والے ہاتھی پر جو سردار بیٹھا تھا اسے شک گذرا کہ مجھ پر خوف طاری ہے، میں نے اسی وقت ایک غزل کہی، وہ اس پر متعجب ہوا۔[1]

میرزا صاحب علم موسیقی سے بھی واقف تھے، ماہرین فن ان کی خدمت میں اصلاح کی غرض سے حاضر ہوا کرتے تھے۔[2]

وہ کھانا پکانا بھی خوب جانتے تھے، عالم جوانی میں جب وہ عزلت نشین نہیں ہوئے تھے ان کے دوست احباب بطریق ضیافت یا کسی نئی عمارت، یا خانہ باغ کی تیاری کے سلسلہ میں انھیں مدعو کرتے اور طرح طرح کے کھانے پکواتے اور ان سے داد کے طالب ہوتے، جو کھانے انھیں پسند آتے ان کی وہ داد دیتے۔[3]

بعض ارباب اختیار کی عقیدت | نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ (م ۱۱۶۵ھ/ ۱۷۵۲ء)[4] میرزا صاحب کا مرید تھا، اس کا معمول تھا کہ جب کبھی وہ کوئی نئی عمارت بنواتے یا خانہ باغ لگوانے کا ارادہ کرتا تو پہلے مرزا صاحب کی دعوت و ضیافت کرتا، اور تقریب سے تین دن پہلے مسلسل تین روز روزہ رکھتا اور تھوڑی سی آش سے افطار کرتا۔ دعوت سے ایک دن پہلے بادشاہ سے عرض کرتا کہ کل مجھے ایک ضروری کام ہے، اس لیے میں حاضری خدمت سے معذور رہونگا۔ ملازموں سے کہتا کہ کل میرے پاس کوئی نہ آئے، جب میرزا صاحب کے لیے سواری بھیجتا تو اسی وقت سے دروازہ پر کھڑا ان کا انتظار کرتا، کھانے پینے کا اہتمام محل خاص کے ذمہ ہوتا، وہ بھی میرزا صاحب سے بیعت تھیں، نواب فیروز جنگ کہا کرتا تھا کہ یہ سب میں اس لیے کرتا ہوں کہ

[1] شاہ غلام علی کتاب مذکور ص ۱۶ [2] بشارات مظہریہ، ق ۲۳ ب [3] ایضاً، ق ۱۹ [4] نظام الملک آصف جاہ کا سب سے بڑا لڑکا تھا، محمد شاہ کے عہد میں اسے امیر الامرا کا منصب عطا ہوا تھا۔

حضرت میرزا کا مزاج ہماری بشری ظلمت و کدورت کی وجہ سے متغیر نہ ہو، وہ مرزا صاحب کو محل خاص میں لیجا کر خدمت و ضیافت کی عزت حاصل کرتا، اور جو کچھ کہنا ہوتا کہتا۔[1]

ایک بار جب میرزا صاحب رخصت ہونے لگے تو نواب فیروز جنگ نے ان کے جوتے سیدھے کرنا چاہے، ان کے لڑکے نے (جو آگے چل کر عالمگیر ثانی کا وزیر ہوا اور ہندستان کی تاریخ میں عماد الملک کے لقب سے مشہور ہوا) دوڑ کر جوتے سیدھے کر دیے، نواب نے اس پر خفگی کا اظہار کیا۔[2]

(مولانا) محمد حسین آزاد نے آب حیات میں ایک عقیدتمند رئیس کے اپنے ہاتھ سے پانی پینے اور آبخورہ ٹیڑھا رکھنے کے جس واقعہ کا ذکر کیا ہے، وہ نواب عماد الملک (م ۱۸۰۰ء)[3] کے ساتھ پیش آیا تھا، پورا واقعہ (مولوی) نعیم اللہ نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

"نواب عماد الملک اپنی وزارت کے زمانہ میں ایک دن میرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے حاضرین مجلس میں سے ایک شخص سے پانی مانگا، میرزا صاحب نے اس سے کہا کہ صاحب خانہ اور آپ کا میزبان میں ہوں، آپ کو جو چاہیے مجھ سے کہیے، یہ عزیز میرے پاس استفادہ کی غرض سے آتے ہیں اور مجھے ممنون کرتے ہیں، کیونکہ یہ زندہ جواہر پارے اور لعل درخشاں ہیں، یعنی ان میں سے بیشتر بزرگ اور بزرگ زادے ہیں یا عالم و حافظ قرآن ہیں، یہ لوگ اس لائق ہیں کہ خود ان کی خدمت و تعظیم کیجائے آپ ان سے اس طرح بے ادبی سے پیش آتے ہیں، ناچار نواب نے اٹھکر اپنے ہاتھ سے پانی پیا اور آکر عرض کیا کہ اگر حضرت فرمائیں تو دو ہوشیار خدمتگار خانقاہ کے صوفیوں کی خدمت کے لیے مقرر کر دیے جائیں ...... میرزا صاحب نے کہا، سبحان اللہ! آپ

[1] بشارات مظہریہ ق ۱۹ [2] ایضاً [3] غازی الدین خاں فیروز جنگ کا لڑکا تھا، باپ کی وفات کے بعد عہد احمد شاہ میں عماد الملک غازی الدین خاں کے لقب کے ساتھ امیر الامرا مقرر ہوا، عالمگیر ثانی کے عہد میں وزیر ہوا تھا۔

ہندوستان کے وزیر ہیں، اور اس کے باوجود آپ نے آبخورہ صراحی پر ٹیڑھا رکھا دیکھ کر ہمارا دماغ پریشان ہو رہا ہے۔ پھر آپ کے خدمتگاروں سے ہم فقیروں کی کیا خدمت ہوسکے گی۔[1]

ایک دن عماد الملک عالمگیر ثانی (م ۱۷۵۹ء) کو میرزا صاحب کی خدمت میں لے کر آیا۔ بعد میں شہزادے آئے، انھوں نے میرزا صاحب کو مجرا عرض کیا، میرزا صاحب نے فرمایا، ان لوگوں کا کوئی اتالیق ہے یا نہیں؟ مجرا صرف بادشاہ کو عرض کیا جاتا ہے، فقیروں اور عالموں کے لیے سلام علیک بس ہے۔[2]

ایک بار نواب نجیب الدولہ (م ۱۷۷۰ء) میرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، میرزا صاحب کا ایک ہندو معتقد بھی اس وقت مجلس میں موجود تھا، نواب کے آدمیوں نے میرزا صاحب کی اطلاع کے بغیر اسے وہاں سے ہٹا دیا، میرزا صاحب کو اس کا علم ہوا تو اس پر ناراضگی کا اظہار کیا، نجیب الدولہ نے فوراً اسے بلوایا اور اس سے معذرت چاہی۔[3]

میرزا صاحب کی نازک مزاجی

میرزا صاحب کی نازک مزاجی یا مرزائیت مسلم تھی، اس کا اعتراف خود انھوں نے اپنے بعض اشعار میں کیا ہے، (مولوی) نعیم اللہ اور شاہ غلام علی نے علی الترتیب معمولات مظہریہ اور مقامات مظہری میں ان کی میرزائیت اور حسن و دلیتی و لطافت پسندی کو تسلیم کیا ہے، بشارات مظہریہ میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، ایک موقع پر (مولوی) نعیم اللہ نے لکھا ہے کہ خود میرزا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی سے ذرا سا بھی خلاف قاعدہ کوئی حرکت ہوجاتی ہے تو میری طبیعت مکدر ہوجاتی ہے اور میں اسے چھپا نہیں سکتا،[4] لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ میرزا صاحب کا یہ بھی بیان تھا کہ میں نے مزاج میرزائی اور مزاج درویشی کو آب گرم

[1] بشارات مظہریہ ق ۹ ب [2] ایضاً [3] ایضاً ق ۱۰ ا [4] ایضاً ق ۹ ب

اور آب سرد کی طرح ملا کر ہمیشہ اعتدال پر رکھا ہے، چنانچہ عالم جوانی میں اگر میری ایک رات کسی عزیز کے مکان پر پُرتکلف مسند پر اور نرم لحاف میں بسر ہوتی تو دوسری رات کسی مسجد یا ویرانہ میں ٹاٹ کے بستر پر گذرتی۔[1]

باباخان کی بغاوت

باباخان میرزا صاحب کے جد امجد تھے، وہ ہمایوں کی فوج کے ساتھ بخارا سے ہندوستان آئے، ہمایوں کے مرنے کے بعد وہ اکبر کے دربار سے متوسل تھے، اکبر کے پچیسویں سال جلوس میں انھوں نے بغاوت کی۔ بغاوت کا سبب یہ تھا کہ اکبر نے جب گھوڑوں کو داغنے کا آئین نافذ کیا تو کارندوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور رشوت کا بازار گرم ہوگیا، باباخان نے تنگ آکر بعض اور امراء کے ساتھ مل کر بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی، یہ واقعہ تاریخی حقیقت ہے، اکبر نامہ اور منتخب التواریخ وغیرہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ لیکن (مولوی) نعیم اللہ نے باباخان کی بغاوت کا ایک نیا سبب بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ اکبر نے اپنے پچیسویں سال جلوس میں دین اسلام سے انحراف کیا، اس لیے باباخان نے بغاوت کی۔ ان کا یہ بیان تاریخ کی روشنی میں صحیح قرار نہیں پاسکتا۔

میرزا جان

میرزا مظہر کے والد میرزا جان (م ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۸ء) کے حالات تذکروں میں بہت کم ملتے ہیں۔ بشارات مظہریہ میں بھی ان کے متعلق صرف چند جملے ہیں، لیکن ان سے چند نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو حسب ذیل ہیں:-

وہ خوبانِ روزگار میں سے تھے، ان کے عہد کے اکثر سلاطین و امراء ان کے عادات و اطوار کو مستند و حجت مانتے تھے، عالمگیر کے لشکر میں صرف چند اشخاص اس بلند مرتبہ کے تھے، اور میرزا جان ان سب کے مقتدا اور پیشوا تھے، وہ جملہ علوم و فنون میں ماہر و باہر تھے اور کشتی و تیر اندازی میں خصوصاً اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، فن کشتی میں ان کے بیشمار شاگرد تھے۔[2]

[1] بشارات مظہریہ ق ۱۱ ا [2] ایضاً ق ۱۸ ا

میرزا جان کا استعفا

میرزا جان اورنگ زیب کے دربار سے متوسل تھے، گارساں دتاسی نے لکھا ہے کہ وہ عہدۂ قضا پر فائز تھے۔[1] صاحب گلشن بیخار کا بیان ہے کہ وہ کسی بات پر اورنگ زیب سے ناراض ہو کر اپنے عہدہ سے مستعفی ہو گئے تھے۔[2] لیکن اس بیان کی تصدیق یا تائید کسی تاریخ یا دوسرے ماخذ سے نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں بشارات مظہریہ میں مندرجۂ ذیل بیان ملتا ہے:

"جس زمانہ میں اورنگ زیب ممالک دکن کی تسخیر کی طرف متوجہ تھا، صوبہ دار ارکاٹ نے بغاوت کی، بادشاہ بہت پریشان ہوا، چونکہ صوبہ دار ارکاٹ اور میرزا جانؒ میں بڑی محبت و یگانگت تھی، اس لیے ارکان دولت نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ میرزا جانؒ کو صوبہ دار ارکاٹ کے پاس بھیجا جائے تاکہ وہ اسے سمجھا کر بادشاہ کی اطاعت پر آمادہ کریں۔ بادشاہ نے میرزا جان کو اس کام پر متعین کیا، انھوں نے صوبہ دار کو بادشاہ کی اطاعت پر آمادہ کر لیا اور اس کی طرف سے ایک خطیر رقم بطریق پیش کش اور بہت سے تحائف بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے، اور جو تحائف، جواہر وغیرہ خود انھیں ملے تھے اُن میں سے کچھ نہ لیا، بادشاہ بہت خوش ہوا، اور ان سے کہا کہ اگر تمھاری کوئی خواہش ہو تو کہو وہ پوری کی جائے گی، انھوں نے کہا کہ میں ایک مدت سے اپنے منصب میں ترقی کا امیدوار ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر اس کے علاوہ اور کچھ چاہتے ہو تو کہو۔ انھوں نے کہا کہ اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں چاہتا۔ بادشاہ کو غصہ آگیا، اس نے کہا کہ تمھیں اپنے اجداد کی نمک حرامی یاد نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ نمک حرامی اور جانفشانی دونوں یاد ہیں۔ ان ہی لوگوں کی جانفشانی کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان کا تخت آپ کے تصرف میں ہے، بادشاہ نے کہا کہ خلد مکان

[1] گارساں دتاسی، تاریخ ادبیات ہندوستان (فرانسیسی)، پیرس ۱۸۷۰ء جلد ۲ ص ۲۹۷ [2] نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، گلشن بیخار، لکھنؤ، مطبع نولکشور ۱۸۷۴ء ص ۱۸۲

نے مجھے چند وصیتیں کی تھیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ تمھارے خاندان کے کسی فرد کو کوئی اعلیٰ منصب نہ دیا جائے۔ میرزا جان نے کہا تو پھر میں بھی آپ کی خدمت سے دستبردار ہوتا ہوں، چنانچہ انھوں نے استعفاء دے دیا، اور اکبرآباد آ کر ترک دنیا کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔"[1]

اس بیان میں دو تاریخی غلطیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں ارکاٹ صوبہ نہیں تھا، اس لیے صوبہ دار ارکاٹ کی بغاوت بے بنیاد ثابت ہوتی ہے، یہ ممکن ہے کہ کسی اور حاکم نے بغاوت کی ہو۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ خلد مکان خود اورنگ زیب کو کہتے ہیں، لیکن اس تحریر سے شیفتہ کے بیان کی تائید ضرور ہوتی ہے، اگرچہ تاریخی تصدیق کا محتاج وہ اب بھی ہے۔

میرزا صاحب کی ایک اہم تحریر

میرزا صاحب کی ایک اہم تحریر اس کتاب کے ذریعہ محفوظ رہ گئی، یہ "تنبیہات الخمسہ" کے عنوان سے روشیعیت میں ہے۔ یہ تحریر مکاتیب میرزا مظہرؒ[2] میں ضمیمہ کے طور پر شائع ہو چکی ہے، اس لیے یہاں اسے مکمل شکل میں نقل کرنا یا اس کے اقتباسات دینا ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ یہ تحریر انداز بیان کی سلاست اور استدلال کی خوبی کے لحاظ سے جاذب توجہ ہے۔

مرزا صاحب کا مدفن

اس کتاب سے میرزا صاحب کے مدفن کے سلسلہ میں ایک نئی اور اہم بات معلوم ہوتی ہے، میرزا صاحب نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا تھا کہ میری بیوی نے ایک مکان خریدا ہے، جس سے میں بیزار ہوں، اگر وہ مجھکو اس میں دفن کرنا چاہیں تو ان کی بات نہ مانی جائے، اس کے علاوہ جہاں کہیں وہ تجویز کریں قبول کر لیا جائے۔[3] لیکن اس تاکیدی وصیت کے باوجود میرزا صاحب کو وہیں دفن کیا گیا جہاں وہ نہیں چاہتے تھے، اس کی توجیہ (مولوی) نعیم اللہ نے یہ کی ہے:-

[1] بشارات مظہریہ، ق ۱۱۸ الف [2] مکاتیب میرزا مظہر مرتبہ عبدالرزاق قریشی بمبئی، علوی بک ڈپو ۱۹۶۶ء
[3] (مولوی) نعیم اللہ بہرائچی، معمولات مظہریہ، ص ۱۴۸

۱۔ وصیت نامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے پاس تھا۔

۲۔ بی بی صاحبہ کی حویلی میں ان کو اس نیت سے دفن کیا گیا تھا کہ وصیت نامہ دیکھنے کے بعد وصیت کے مطابق منتقل کر دیا جائے گا۔

۳۔ وصیت نامہ دیکھنے کے بعد جب منتقل کرنے کا ارادہ کیا گیا تو میرزا صاحب نے عالم معاملہ میں منع فرما دیا۔[1]

مزار کی تعمیر (مولوی) نعیم اللہ نے معمولات مظہریہ کے تکملہ میں لکھا ہے کہ ۱۲۰۵ھ/۹۱-۱۷۹۰ء میں مجھے میرزا صاحب کے مزار مبارک کی تعمیر کی غرض سے شاہ جہان آباد کے سفر کا اتفاق ہوا،[2] یہ بیان کچھ مبہم سا ہے، بشارات مظہریہ سے واضح طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مزار کی تعمیر انہی کی کوشش سے ہوئی، وہ اپنے خواجہ تاش (مولوی) عبدالباقی کے حالات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ اس سال میں مزار مبارک کی تعمیر سے فراغت حاصل کر کے لکھنؤ لوٹا۔[3] بشارات مظہریہ کے خاتمہ پر "ختم تحریر کتاب" کی تاریخ ۱۰ محرم الحرام ۱۲۰۷ھ ہے۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ مزار کی تعمیر ۱۲۰۵ھ/۹۱-۱۷۹۰ء اور ۱۲۰۶ھ/۹۲-۱۷۹۱ء کے درمیان ہوئی۔ اور (مولوی) نعیم اللہ بہرائچی کی کوشش سے ہوئی۔

عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ میرزا صاحب کے لوح مزار پر ان کا مندرجہ ذیل شعر کندہ کرایا گیا تھا:

بلوح تربت من یافتند از غیب تحریری ۔۔۔ کہ این مقتول را جز بی گناہی نیست تقصیری

تقریباً پانچ سال ہوتے ہیں، راقم مضمون کو جناب مولانا ابوالحسن زید صاحب فاروقی سجادہ نشین درگاہ شاہ ابوالخیر (چتلی قبر، دہلی) سے بمبئی میں ملنے کا شرف حاصل ہوا، باتوں باتوں میں میرزا صاحب کے مزار کے کتبہ کا ذکر آ گیا، انھوں نے فرمایا کہ لوح مزار پر کتبہ کبھی نہیں تھا،

[1] بشارات مظہریہ، ق ۱۲۵ ب [2] ص ۱۴۴، [3] بشارات مظہریہ، ق ۱۸۲ ا

بلکہ مزار کے دروازہ پر تھا، اتفاق سے اس سلسلہ میں تقریباً ان ہی دنوں میں ان سے تبصرہ نگار کے ایک دوست کی بھی مراسلت ہوئی تھی، انھوں نے اپنے خط میں تحریر فرمایا تھا کہ "یہ کتبہ ۱۳۴۵ھ یا ۱۳۴۶ھ میں آندھی کی وجہ سے گر کر قطعہ قطعہ ہو گیا تھا، تقریباً ۳۰ سال کے بعد پروردگار نے اس عاجز کو توفیق دی کہ اسی ڈھب کا کتبہ ۲۱ جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ (۲۰ نومبر ۱۹۶۲ء) کو دروازہ کے اوپر پھر لکھوا دیا۔"[1]

مکاتیب کے اقتباسات مصنف نے مناسب موقع و محل سے میرزا صاحب کے اقتباسات دیے ہیں جو عموماً مختصر ہیں، دو خط (ایک خانم قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے نام اور دوسرا قاضی صاحب کے فرزند دلیل اللہ کے نام) مکمل ہیں۔ یہ دونوں خط راقم مضمون کے مرتب کردہ مجموعۂ مکاتیب میرزا مظہر میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ مکاتیب کے بعض اہم اقتباسات اہم ہیں۔ مثلاً مندرجۂ ذیل اقتباسات میں دو تاریخی واقعات کی طرف اشارے ملتے ہیں:۔

(۱) "فقیر با چندی از بقیۃ السیف حوادث داخل شہر پناہ در محلۂ قاضی شہر قریب دہلی دروازہ مع متعلقان بعافیت است۔۔۔۔۔ از مسلمانان کمتر تا دو ہزار و ہندوان بیشتر تا سی [؟] ہزار کشتہ شدہ و ہزاران کس از مرد و زن اسیر شدند۔ اما اکثر خلاص گردیدند۔۔۔۔۔ و بیرون شہر با خاک برابر شد و داخل شہر پناہ سہ روز غارت کردند۔۔۔۔۔ جنگ مرہٹہ با ابدالی و روہیلہ در عین آب جمنہ بر گھاٹ وزیر آباد روز پنجشنبہ ہشتم جمادی الاولیٰ وقت دو پہر واقع شد۔ دتاجیو در عین آب در آغاز جنگ بزخم گولی کشتہ شد و جنکو مجروح شدہ مع وزیر گریخت و فوج بر شہر ریخت۔"[2]

(۲) "غضب الٰہی روہیلہ ہا را با آن کثرت و شوکت بی جنگ و جدل ذلیل ساخت

[1] مکتوب مولانا ابوالحسن زید صاحب فاروقی بنام افتخار احمد جھنجھانوی، مورخہ ۵ مارچ ۱۹۶۳ء
[2] بشارات مظہریہ، ق ۱۹۰ ب، مکتوب بنام میر مسلمان

مرہٹہ با باہمہ عداوت قدیم مروت بایں قوم کردند مستورات و اطفال سرداران را بحرمت نگاہ داشتند و دیگر مردم را یراق و پوشاک رخصت کردند و نقود و دواب ضبط نمودند۔ حکم بادشاہ ہم درمیان است۔ الا الضعف"[1]

پہلے خط کا پس منظر یہ ہے کہ عماد الملک نے عالمگیر ثانی کو جس کا وہ وزیر تھا، ۳۰ نومبر ۱۷۵۹ء کو دھوکے سے قتل کرا دیا، اور ایک نوجوان شاہزادہ کو شاہجہان ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھایا۔ احمد شاہ ابدالی جو مغلیہ سلطنت کی قسمت کی رہنمائی کرتا تھا، ان دنوں پنجاب میں تھا، وہ یہ خبر سنکر فوراً دہلی کی طرف بڑھا، اگرچہ اس جرم میں مرہٹوں کا کوئی ہاتھ نہ تھا لیکن چونکہ عماد الملک کو مرہٹوں کی سرپرستی و پشت پناہی حاصل تھی، اس لیے ابدالی کا غصہ ان ہی پر اترا، مرہٹہ سردار دتاجی نے ابدالی کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ مارا گیا اور جنکوجی سندھیا کے دائیں بازو میں گولی آرپار ہوگئی اور وہ مجروح ہو کر میدان سے بھاگا۔[2] وزیر سے مراد عماد الملک ہے۔

یہ جنگ براری گھاٹ پر جمعرات کے دن ۱۰ جنوری ۱۷۶۰ء (۲۰ جمادی الاولیٰ) کو ہوئی تھی[3]، میرزا صاحب نے سہواً "وزیر آباد" لکھوا دیا ہے۔

دوسرے مکتوب کا پس منظر یہ ہے کہ امیر الامراء نواب نجیب الدولہ کی وفات کے بعد

---

[1] بشارات مظہریہ، ق ۲۰ ب، مکتوب بنام قاضی احمد اللہ پانی پتی [2] گووند سکھارام سردیسائی (مرتب) Selections from The Peshwa Daftar بمبئی، گورنمنٹ سنٹرل پریس، ۱۹۳۰ء، ۱۹۳۲ء، ۱۹۳۳ء، مکتوب نمبر ۱۱۴، جلد ۲۱ مکتوبات نمبر ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۵، جلد ۲۷، مکتوب نمبر ۲۴۷ [3] گووند سکھارام سردیسائی، New History of The Marathas بمبئی – Phoenix Publications ۱۹۴۸ء، جلد ۲ ص ۴۱۱ - ۴۰۹

اس کے لڑکے نواب ضابطہ خاں نے شاہ عالم ثانی کی خدمت میں حاضر ہونے اور روایتی نذرانہ پیش کرنے سے انکار کیا اور باغیانہ رویہ اختیار کیا، اسلیے شاہ عالم ثانی نے مرہٹوں کی مدد سے جنوری ۱۷۷۲ء میں اس پر حملہ کیا اور اسے شکست دی، میرزا صاحب نے "جنگ و جدل" کے الفاظ استعمال کیے ہیں، اس سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ جنگ بالکل نہیں ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنگ ہوئی، اور فرینکلن کے بیان کے مطابق "خونی جنگ" ہوئی، مگر ضابطہ خاں کے ایک سردار سعادت خاں کے مارے جانے کی وجہ سے روہیلوں کے حوصلے پست ہوگئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے، اس بھگدڑ میں ضابطہ خاں کا پورا خاندان مرہٹوں کے ہاتھ میں قید ہو گیا، چند دنوں بعد شاہ عالم ثانی کے حکم سے تمام افراد کو عزت کے ساتھ ضابطہ خاں کے قلعہ غوث گڑھ میں پہنچا دیا گیا۔[1]

میرزا صاحب کی زندگی کا ایک اہم اور ان کے لیے تکلیف دہ واقعہ ان کی اہلیہ محترمہ کا سفر حج کا ارادہ تھا، ان کا یہ بھی اصرار تھا کہ میرزا صاحب ان کے ساتھ چلیں، اس سلسلہ میں انکے کئی خطوط ہیں، جو مکاتیب میرزا مظہر میں شائع ہو چکے ہیں، بشارات مظہریہ میں بھی دو خطوط کے اقتباسات ہیں جو میرزا صاحب کے جذبات کی ترجمانی کرنے کے علاوہ ادبی حیثیت سے بھی قابل توجہ ہیں، ان میں سے ایک خط کے اقتباس کا ایک حصہ حسب ذیل ہے:۔

"معلوم باد کہ من احمق نیستم۔ ہرچہ می کنم دیدہ و دانستہ می کنم۔ مرا آبرو و نا بسیار عزیز است و کاری باین شور و ندارم محلی نیست، اما برعایت حقوق صحبت چند سالہ و بپاس حرمت باہمہ ناتوانی و بے سامانی مشقت و محنت سفر دو ر دراز را برخود گوارا کردم۔ بہ تنہائی و بی کسی او ترحم نمودہ عہد رفاقت بستہ ام و فریب

---

[1] فرینکلن The History of The Reign of Shah Alam الہ آباد، ۱۹۳۴ء باب ۵، ص ۴۳-۴۱

داده ام و فریب خورده ام"[1]

چند اور اہم تحریریں میرزا صاحب کے مکاتیب کے متعدد اقتباسات کے علاوہ بشارات مظہریہ میں چند اور اہم تحریریں ہیں، مثلاً میرزا صاحب کے ارشد مریدین قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر جو انھوں نے دست خاص سے لکھکر (مولوی) نعیم اللہ کو دی تھی۔ یہ تحریر قاضی صاحب کے شجرۂ نسب سے متعلق ہے، جو مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء چشتی پر ختم ہوتا ہے، مخدوم شیخ جلال الدین کا سلسلۂ نسب حضرت عثمانؓ تک پہنچتا ہے[2] آخری حصہ میں قاضی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ "در سلسلۂ آبای فقیر تعلیم علوم ظاہر بیشتر ماندہ۔ مشہور است کہ حضرت مخدوم جلال الدین قدس سرہٗ بہ پسر خود خواجہ ابراہیم گفتہ بودند کہ در نسل تو ہمیشہ علماء خواہند بود۔ برکت قول ایشان بفضل الٰہی علوم ظاہر در نسل ایشان تا الیوم منقطع نشدہ۔"[3] یہ سلسلہ قاضی صاحب کے بعد صرف ایک پشت اور چلا اور پھر ختم ہوگیا۔

دوسری اہم تحریر 'کلمات الحق' کا دیباچہ ہے، اس کا موضوع توحید شہودی و توحید وجودی ہے، یہ رسالہ میرزا صاحب کے ایک فاضل مرید (مولوی) غلام یحییٰ نے اپنے مرشد کے ارشاد پر لکھا تھا، اس پر میرزا صاحب نے اظہار خوشنودی کے طور پر چند سطروں کی تقریظ بھی لکھی تھی، جو کلمات طیبات میں ان کے مکتوبات کے آخر میں چھپ گئی ہے، چونکہ یہ رسالہ کمیاب ہے اسلئے دیباچہ کا کچھ حصہ یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

"فقیر غلام یحییٰ ...... روز و شب از خدمت آں مرجع اہل فضل و کمال در ہر باب از مسائل عقلی و نقلی فیوض برکات تحقیقات جدیدہ و تدقیقات غریبہ می رسید و گاہ بنابر امتثال امر عالی فقیر ہم بعض مقدمات بعرض می رسانید و قبول افتاد۔ از آں جملہ سخن

[1] بشارات مظہریہ ق ۱۶۹ ا، مکتوب بنام قاضی ثناء اللہ پانی پتی [2] بشارات مظہریہ، ق ۱۴۷ ا [3] ایضاً ق ۱۴۷ ب

در مسئلۂ توحید وجودی و توحید شہودی نیز می رفت و ذکر اختلاف محققین از متقدمین و متاخرین صوفیہ در آں باب بمیان می آمد و اکثر اشارات ..... بتحریر زبدہ این مطالب و خلاصۂ این مآرب بفقیر می فرمودند تا حسب الامر آں جناب در سنہ ہزار و صد و ہشتاد و چہار ہجری بتالیف این رسالہ کہ مشتمل است بر تبصرہ و تکملہ و مسمی است بکلمات الحق موفق شد۔"[1]

میر (شاہ) علی:-

میرزا صاحب کی تلخ اور پریشان کن گھریلو زندگی میں ان کے متبنی علی کی شخصیت کو بھی خاصا دخل ہے، لیکن معمولات مظہریہ، مقامات مظہری وغیرہ سے اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملتی، مگر بشارات مظہریہ میں اس کا مختصر سا ذکر ہے، وہ میرزا صاحب کی اہلیہ کے عزیزوں میں تھا، چونکہ ان کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لیے انھوں نے اسے اپنا لڑکا بنا لیا تھا، وہ نہایت نکما اور حریص آدمی تھا، اس کے باوجود میرزا صاحب اسے اولاد کی طرح مانتے تھے، کیونکہ وہ ان کی اہلیہ کو عزیز تھا۔[2] اس کی مادی یادگار دو لڑکے تھے، عبد اللہ اور نظامی، یہ دونوں بھی نکمے ثابت ہوئے۔[3]

ابیات قصیدہ مصحفی نے عقد ثریا میں میرزا صاحب کا مندرجۂ ذیل شعر نقل کیا ہے:

مرا چہ جرم کہ ہر نالہ ام زموزونی
غلط کنند عزیزان بمصرع استاد

بشارات مظہریہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شعر ایک قطعہ کا ہے جس کا عنوان کتاب میں ابیات قصیدہ ہے[4] چونکہ یہ قطعہ میرزا صاحب کے مطبوعہ دیوان میں ہے اور کسی

[1] بشارات مظہریہ، ق ۱۹۳ ا [2] ایضاً، ق ۱۷۹ ب [3] ایضاً، ق ۱۷۰ ا [4] ایضاً، ق ۲۰۹

تذکرہ ہیں، اس لیے اسے یہاں نقل کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔

توئی کہ کلک قضا را بصفحۂ ایجاد
نبشتہ است بدور خط تو نقش مراد

بداد نامۂ عاشق اگر رہی وقت است
کنون کہ حسن تو، دشمن نمودہ است سواد

بایں دعاست بتان را بلند دست فرو
کہ چشم بر رخ نورانی تو از مرساد

بخاک تفتۂ حسرت کشان قدم مگذار
کہ گور شان نبود کم ز کورۂ حداد

کشودہ است پر و خصت طپیدن نیست
کہ خاک خود برہ عشق دادہ ام برباد

ہزار میکدہ و بزم دیدہ ام در عمر
ہزار مدرسہ و خانقاہ دارم یاد

بہر دیار بجز درد نیم علم لیکن
چو سرو قامت خوبانم از ہمہ آزاد

چو درکم معرفت بیگانہ از وصافا تیم
نہ ہیچ فخر بہ آبا نہ میل با اولاد

نہ التفات بانکار ... یاد کنیم
نہ ہیچ دعوی عقل معاش و علم معاد

نہ من از آن حضراتم علیہم الرحمۃ
کہ بود شاعری شان ہدایت و ارشاد

نہ من ز شعر فروشان لازم الصلام
نہ از قبیل گدایان لائق الامداد

ز رغبتست بتاریخ و تعرض تعمیہ ام
نہ مدح نیک و نہ ذم بدی کنم انشاد

نہ مدعی فن شعر مفتخر بسخن
کہ ہست عارم ازین شعر ہا ہر عباد

دلی بہا تم دل نوحہ می کنم گاہی
کہ خون شدہ است ز دست ستمگر جلاد

مرا چہ جرم کہ بر نالہ ام ز موزونی
غلط کنند عزیزان بمصرع استاد

خلفاء:-

نہ لفظ پڑھا نہیں گیا۔

شاہ غلام علی نے مقاماتِ مظہری میں میرزا صاحب کے پینتالیس مریدوں کے مختصر حالات لکھے ہیں، بشاراتِ مظہریہ میں اڑتالیس مریدوں کے حالات درج ہیں، ان میں سے زیادہ تر دونوں میں مشترک ہیں، لیکن بشاراتِ مظہریہ میں چند ایسے خلفاء کا بھی ذکر ملتا ہے، جن کے حالات مقاماتِ مظہری میں نہیں لکھے گئے ہیں۔

(مولوی) نعیم اللہ کا اندازِ بیان صاف اور سادہ ہے لیکن کہیں کہیں مبالغہ کا رنگ آگیا ہے، جو اس قسم کی کتابوں میں عموماً پایا جاتا ہے، کتاب سلسلۂ مظہریات کی ایک اہم کڑی ہے، اور میرزا مظہرؒ کا کوئی سوانح نگار اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی

از
مولوی حافظ محمد نعیم صاحب ندوی صدیقی رفیق دار المصنفین

(۳)

تصانیف | حافظ ابن حجر نے اپنی طویل علمی زندگی میں مختلف فنون کی بکثرت کتابیں تصنیف کیں، اور آپ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اپنی تصانیف کی شہرت و قبول عام کا مشاہدہ اپنی زندگی ہی میں کر لیا، امام سخاوی نے ان کی کل تصنیفات کی تعداد ۱۵۰ سے زائد بتائی ہے جن میں بیشتر کتابیں فن حدیث سے متعلق ہیں،[1] علامہ سیوطی نے ۲۰۶ کتابوں کے نام شمار کرائے ہیں،[2] اور ابن عماد حنبلی نے ۲، تصانیف کے نام لکھے ہیں، جن کی کل مجلدات کی تعداد ۱۱۲ ہے۔[3]

حافظ ابن فہد نے اپنے شیخ کی تصانیف کو بڑے شاندار الفاظ میں تحسین و عقیدت کا خراج پیش کیا ہے، لکھتے ہیں:

الف التآلیف المفیدة الملیحة	انھوں نے بہت مفید، عمدہ اور جلیل القدر
الجلیلة الشاهدة له بکل فضیلة	کتابیں تالیف کیں، جو ان کی بلندی قدر
الدالة علی غزارة فوائدہ	کی شاہد اور ان فوائد کی کثرت پر دلالت

[1] الضوء اللامع ج ۲، ص ۳۶ [2] نظم العقیان للسیوطی ص ۴۹ [3] شذرات الذہب ج ۷، ص ۲۷۳

جمع فیها فاوعی وفاق اقرانه جنسا ونوعاً[1]	کرتی ہیں...... انھوں نے ان میں تحقیق مواد جمع کر کے اپنے معاصرین پر ہر نوع اور جنس میں فوقیت حاصل کر لی۔

پہلی تصنیف | آپ کی سب سے پہلی کتاب تغلیق التعلیق ہے، جو ۸۰۳ھ کی تصنیف ہے، اس میں صحیح بخاری کی تعلیقات کی اسانید موصولہ کا ذکر ہے، اور آثار موقوفہ اور متابعات سے بحث کی گئی ہے،[2] ابن فہد لکھتے ہیں:۔

وقد کمل فی حیاة کبار الشیوخ	انھوں نے یہ کتاب کبار شیوخ کی زندگی
وشهدوا بانه لم یسبق الی	ہی میں مکمل کر لی تھی اور ان سب نے اس بات کی
مثاله وهوله مفخرة[3]	شہادت دی کہ اس کے مثل پہلے کوئی کتاب
	نہیں لکھی گئی اور وہ خود بھی اس پر فخر کرتے تھے۔

حاجی خلیفہ اس کے متعلق رقمطراز ہیں:۔

وهو کتاب حافل عظیم النفع	وہ نہایت مفید اور جامع کتاب ہے
لم یسبقه الیه احد[4]	اس سے پہلے کسی نے اس موضوع پر کوئی
	کتاب نہیں لکھی،

ابن عماد حنبلی کہتے ہیں کہ یہ بہت نفیس کتاب ہے،[5] اس کی ابتدا اس طرح ہے، الحمد لله الذی من تعلق باسباب طاعته فقد اسند امرہ الی الحظیم الخ

حافظ ابن حجر خود اس کے سبب تصنیف کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ

[1] لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ ص ۳۳۲ [2] شذرات الذہب ج ۷، ص ۲۷۳ [3] لحظ الالحاظ ص ۳۳۲ [4] کشف الظنون ج ۱، ص ۴۰۳ [5] شذرات الذہب ج ۷، ص ۲۷۳

تأملت ما يحتاج اليه طالب العلم من شرح البخاري فوجدته ثلاثة اقسام الاول في شرح غريب الفاظه وضبطها واعرابها الثاني في صفة احاديثه وتناسب ابوابها والثالث وصل الاحاديث المرفوعة والآثار الموقوفة المعلقة .... بان لي ان الحاجة الى وصل المنقطع ماسة فجمعت وسميته تغليق التعليق[1]

بخاری کی شرح میں طالب علم کو جس کی ضرورت پیش آتی ہے، میں نے غور کیا تو اس کی تین قسمیں پائیں، پہلی تو یہ، بخاری کے نامانوس الفاظ کی شرح اور ان الفاظ کا اعراب وغیرہ، دوسرے احادیث کی صفت اور ان کے ابواب کا تناسب سوم مرفوع احادیث و آثار موقوفہ معلقہ کی اسانید موصولہ...... چنانچہ مجھے اندازہ ہوا کہ منقطع احادیث کو متصل سے بیان کرنے کی ضرورت ہے، اسلئے اسکو جمع کرکے اس کا نام تغلیق التعلیق رکھا،

حافظ صاحب نے التشویق الی وصل المهم من التعليق کے نام سے اس کی تلخیص بھی کی تھی اور پھر اس کو بھی مختصر کرکے ایک کتاب لکھی تھی جس میں صرف ان احادیث کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے جو جامع صحیح میں ایک جگہ تعلیقاً مذکور ہیں اور دوسری جگہ موصولاً، اس کا نام التوفیق بتعلیق التعلیق رکھا،[2] اس کے علاوہ حافظ ابن حجر کی چند مشہور مطبوعہ تصانیف کے نام مع تعارف ذیل میں مندرج ہیں :-

۱- **فتح الباری** - امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جامع صحیح کو اس کی اہمیت کی بنا پر قبول عام کا جو تمغہ حاصل ہوا وہ محتاج بیان نہیں، اسی بنا پر ہر زمانہ کے فضلاء اس کے شروح اور حواشی

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۳۴۰ [2] لحظ الالحاظ ص ۳۳۲

برابر لکھتے رہے، حتی کہ بخاری کے شروح اور حواشی اور متعلقات کی تعداد ایک سو سے زائد بیان کی جاتی ہے، لیکن ان سب میں جو شہرت اور مقبولیت شیخ الاسلام حافظ ابن حجر کی فتح الباری شرح بخاری کے حصہ میں آئی اس تک کسی کی رسائی نہ ہو سکی۔

اس مایہ ناز کتاب نے حافظ ابن حجر کو تاریخ علم و فن میں زندہ جاوید کر دیا، ان کو خود بھی اپنی اس تصنیف پر بجا طور پر ناز تھا جیسا کہ امام سخاوی نے تصریح کی ہے کہ رأيته في مواضع اثنى على شرح البخاري والتعليق والنخبة،[1]

یہ شرح دس جلدوں میں ہے اور ہدی الساری کے نام سے ایک ضخیم جلد میں اس کا مقدمہ علیحدہ ہے، مقدمہ کی تالیف سے ۸۱۳ھ میں فراغت ہوئی، اس کے بعد ۸۱۷ھ سے فتح الباری کی تالیف کا کام شروع کیا، اس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ آپ کاپی پر تھوڑی تھوڑی شرح لکھتے رہتے جب ایک معتد بہ حصہ ہو جاتا تو ائمہ مجتہدین کی ایک جماعت اسے نقل کرتی اور پھر ہفتہ میں ایک دن اس کا اصل سے مقابلہ اور اس پر مباحثہ ہوتا، علامہ ابن خضر قرأت کرتے، لوگ اپنے اپنے اشکالات و اعتراضات بیان کرتے، حافظ صاحب ان کا تشفی بخش جواب دیتے، اسی طرح کام برابر جاری رہا اور ۸۴۲ھ میں اس عظیم کام سے فراغت ہوئی، بعد میں مصنف نے اس میں کچھ اضافے بھی کیے، خلیفہ حلبی لکھتے ہیں کہ

فلم ينته الا قبيل وفاته،[2]

اس کتاب کی تالیف سے حافظ صاحب کو اتنی مسرت ہوئی کہ قاہرہ کے باہر مقام تاج میں ۸ / شعبان ۸۴۲ھ کو ایک شاندار دعوت کی جس میں تمام اعیان شہر شریک ہوئے امام سخاوی لکھتے ہیں :-

[1] التبر المسبوک بحوالہ فتح الباری ج ۱ ص ۴ [2] کشف الظنون ج ۱ ص ۳۶۳

وکان یوماً مشہوداً لم یعھد اہل العصر مثلہ بحضرۃ من العلماء والقضاۃ والرؤساء والفضلاء[1]

وہ ایک یادگار دن تھا، علماء، قضاۃ امراء اور فضلا کا ایسا اجتماع لوگوں نے نہیں دیکھا تھا۔

اس اجتماع میں مقدمہ فتح الباری پڑھا گیا،[2] شعرا نے خصوصی نظمیں پڑھیں، حافظ صاحب کی زندگی ہی میں اتنی شہرت و مقبولیت حاصل ہوگئی تھی کہ اطراف کے سلاطین نے اس کو خرید کر اس کی نقلیں تیار کرائیں اور وہ پوری دنیا میں پھیل گئی، علامہ مراغی (المتوفی ۸۵۹ھ) نے اس شرح کی تلخیص بھی کی تھی،[3] علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر نے دوسرے نہج پر ایک شرح اور لکھنی شروع کی تھی جو پوری نہ ہو سکی،[4]

حافظ صاحب کے شیخ علامہ مجد الدین فیروز آبادی (المتوفی ۸۱۷ھ) نے بھی بخاری کی ایک شرح منح الساری بالسیح الفسیح الجاری کے نام سے لکھی تھی، علامہ شوکانی کا بیان ہے کہ حافظ صاحب کی شرح فتح الباری کا نام شیخ مذکور ہی کا رکھا ہوا ہے،[5] صاحب روضات لکھتے ہیں کہ اخذ من اسم شرح الفیروزابادی علی صحیح المذکور،[6] لیکن مورخ زبارۃ الیمنی نے اس کی تردید کی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

مجد الدین سمی شرح الحافظ منح الباری بالمیم بدل الفاء وان الحافظ ابن حجر اطلع علیہ

مجد الدین نے حافظ صاحب کی شرح کا نام منح الباری رکھا تھا (ف کے بجائے میم سے)، حافظ صاحب کو معلوم ہوا تو

---

[1] البدر الطالع ج ۱ ص ۹۰ [2] مقدمہ فیض الباری ج ۱ ص ۳۰ [3] کشف الظنون ج ۱ ص ۲۶۷ [4] نظم العقیان ص ۴۵ و اتحاف النبلاء ص ۱۹۴ [5] البدر الطالع ج ۱ ص ۹۰ [6] روضات الجنات ج ۱ ص ۹۴

ولم یرتضہ لکثرۃ نقلہ عن ابن العربی[1]

انھوں نے اسے پسند نہیں کیا، کیونکہ یہ بہت چالو نام تھا،

علامہ قسطلانی نے بھی اس کی تائید کی ہے،[2]

خصوصیات فتح الباری یہ مقولہ مشہور ہے کہ فقہ البخاری فی تراجمہ امام بخاری نے اپنے تراجم ابواب میں جس دقت نظر کا ثبوت دیا ہے اس کو سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں، انکی اہمیت کی بنا پر علما، و محققین نے اس پر مستقل رسالے لکھے ہیں، جن میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا رسالہ تراجم ابواب البخاری مشہور و ممتاز ہے۔

حافظ ابن حجر نے بخاری کے تراجم ابواب کو سمجھنے کے لیے بعض اصول بھی متعین فرما دیے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے بہت سے فقہی فوائد اور حکیمانہ نکتے اپنی کتاب میں بکھیرے ہیں، اور غور و فکر کرنے والوں کو بہت سی نادر چیزیں ملتی ہیں،[3]

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں جامع صحیح کے ان نکات پر جو فن رجال یا تراجم ابواب کی تدقیقات فقہیہ سے متعلق ہیں محققانہ بحث کی ہے، اور حدیث کے مختلف طرق کو اس طرح جمع کر دیا ہے کہ شرح اور اعراب کے مختلف احتمالات میں سے کسی ایک کی تعیین واضح طور پر ہو جاتی ہے،[4]

صحیح بخاری کی مکرر روایات کی تعداد بہت زیادہ ہے، حافظ ابن حجر کے محتاط شمار کے مطابق روایاتِ مرفوعہ کی تعداد ۲۳۹۷، اور تکرار کے ساتھ متابعات و تعلیقات کی تعداد ۷۳۴۱ ہے، اسی طرح صحابہ کی موقوفات اور تابعین کی مقطوعات کی تعداد ۳۴۱ ہے، اس طرح روایات بخاری کی مجموعی تعداد ۸۰۷۹ ہو جاتی ہے،[5]

---

[1] حاشیہ البدر الطالع، ج ۱ ص ۸۹ [2] ارشاد الساری ج ۱ ص ۴۹ [3] مقدمہ فتح الباری ص ۲ [4] ارشاد الساری ج ۱ ص ۴۹ [5] مقدمہ فتح الباری ص ۴۶۵

ان مکرر احادیث کے سلسلہ میں حافظ صاحب نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ہر جگہ شرح کرتے وقت امام بخاری کے منشاء و مقصد کو ملحوظ رکھا ہے، بعض جگہ ان کی ترجیحات میں تضاد بھی پایا جاتا ہے، چنانچہ ایک جگہ مختلف احتمالات و اقوال میں سے کسی ایک کو راجح قرار دیا ہے اور دوسری جگہ اس کو مرجوح کرکے دوسرے احتمال کو راجح قرار دیدیا ہے، جو نامناسب ہے، لیکن خلیفہ چلپی کا بیان ہے کہ ھذا امر لا ینفک عنہ احد من الائمۃ[1] یعنی اس سے کسی امام کا دامن پاک نہیں ہے۔

صحیح بخاری کی جن روایات پر امام دارقطنی یا دیگر ائمہ نے نقد کیا ہے، ان کی تعداد ایک سو دس بیان کیجاتی ہے، حافظ ابن حجر نے ان کا مفصل جواب دیا ہے، اور اس پر خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ اکثر اعتراضات کا شافی و کافی جواب ہوگیا[2]، امام بخاری کی جن ۸۰ روایات پر نقد کیا گیا ہے ان کے متعلق حافظ صاحب رقمطراز ہیں کہ

ینبغی لکل منصف ان یعلم تخریج صاحب الصحیح لای راو کان مقتض لعدالتہ عندہ وصحۃ حفظہ وعدم غفلتہ[3]

ہر منصف مزاج کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ امام بخاری کا کسی راوی کی تخریج ان کے نزدیک اس راوی کے عادل اور صحیح الحافظہ ہونے کی دلیل ہے۔

فتح الباری ائمہ و محدثین کی نظر میں

فتح الباری کی گوناگوں فنی خصوصیات کی بنا پر ہر زمانہ کے ائمہ و شیوخ نے اس کو عقیدت کے ہاتھوں سے قبول کیا اور اس پر تحسین و آفرین کی داد نچھاور کی، امام سخاوی لکھتے ہیں:

فتح الباری بشرح البخاری الذی

یہ عجیب بات ہے کہ فتح الباری شرح بخاری

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۳۴۷، [2] مقدمہ فتح الباری ص ۴۰۰ [3] ایضاً ص ۴۴۳

لم یسبق نظیرہ امراً عجباً بحیث استدعی طلبہ ملوک الاطراف[1]

کی نظیر نہیں ملتی، اسی بنا پر اطراف کے سلاطین کو اس کی بڑی طلب تھی۔

خلیفہ چلپی رقمطراز ہیں:

وشہرتہ وانفرادہ بما اشتمل علیہ من الفوائد الحدیثیۃ والنکات الادبیۃ والفوائد الفقہیۃ تغنی عن وصفہ[2]

اس کی شہرت اور انفرادیت اس بنا پر ہے کہ وہ حدیث کے ایسے فوائد، ادبی نکات اور فقہی مباحث پر مشتمل ہے جس کا وصف نہیں بیان کیا جاسکتا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رقمطراز ہیں:

شرح البخاری الذی لم یصنف احد فی الاولین والآخرین مثلہ[3]

بخاری کی ایسی شرح لکھی کہ متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے ایسی شرح تصنیف نہیں کی۔

علامہ ابن خلدون کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ شرح البخاری دین علی ھذہ الامۃ بخاری کی شرح امت پر ایک قرض ہے۔ امام سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ قرض فتح الباری سے ادا ہو گیا[4]۔

فتح الباری اور عمدۃ القاری

حافظ ابن حجر کے معاصر لیکن ان کے شیوخ کی صف کے بزرگ علامہ بدر الدین عینی نے بھی صحیح بخاری کی ایک شرح عمدۃ القاری کے نام سے لکھی ہے، علامہ عینی نے بھی اپنی شرح میں فتح الباری سے بہت استفادہ کیا ہے، بلکہ بعض جگہ پورے صفحے

[1] الضوء اللامع ج ۲ ص ۳۸ [2] کشف الظنون ج ۱ ص ۵۴۷ و ارشاد الساری ج ۱ ص ۴۹، [3] ذیل طبقات الحفاظ ص ۳۸۱ [4] التبر المسبوک بحوالہ فتح الباری ج ۱ ص ۴

نقل کردیے ہیں[1]، انھوں نے علامہ ابن خضر سے فتح الباری کا ایک نسخہ مستعار لیا تھا[2]،

مذکورۂ بالا دونوں شروح کی مقبولیت کی وجہ سے ان میں موازنہ و مقابلہ بھی کیا جاتا ہے، اکثر علماء و محققین کا فیصلہ یہی ہے کہ فتح الباری کو عینی (عمدۃ القاری) پر فوقیت حاصل ہے، علامہ شوکانی سے اس سلسلہ میں رجوع کیا گیا تو انھوں نے بہت ہی لطیف و بلیغ جواب دیتے ہوئے فرمایا لاھجرۃ بعد الفتح[3] (یعنی فتح الباری)

منقول ہے کہ جب فتح الباری علامہ عینی کے پاس پہنچی اور انھوں نے اس میں خفیہ پر حافظ ابن حجر کے تعقبات دیکھے تو انھوں نے ویسے ہی تعقبات عمدۃ القاری میں حافظ ابن حجر پر کیے ہیں اور جن باتوں کو حافظ صاحب نے بالقصد ترک کردیا تھا، جیسے حدیث کے پورے متن کی نقل، روایات کے انساب کی وضاحت، ہر راوی کا ترجمہ، لغات اعراب اور معانی و بیان کی وضاحت اور حدیث سے استنباط مسائل وغیرہ ان سب کو عینی نے بتفصیل بیان کردیا[4]۔

بعض فضلا نے حافظ ابن حجر سے شرح عینی کے بارہ میں کہا کہ وہ علم بدیع وغیرہ مسائل میں فتح الباری سے افضل ہے، حافظ صاحب نے جواب دیا کہ

نقله من شرح ركن الدين	عینی نے ان چیزوں کو شرح رکن الدین
وقد كنت وقفت عليه ولكن	سے نقل کیا ہے، میں بھی ان سے واقف تھا
تركت النقل منه[5]	لیکن میں نے (بالقصد) انکو نقل نہیں کیا،

فتح الباری پر علامہ عینی کے تعقبات کا سبب بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے انتقاض الاعتراض کے آغاز میں لکھا ہے کہ

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۳۶، [2] ارشاد الساری ج ۱ ص ۵۰ [3] ابجد العلوم ص ۴۴ [4] ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۶ و مقدمہ فیض الباری ج ۱ ص ۳۸ [5] کشف الظنون ج ۱ ص ۳۶ [6] ایضاً ص ۳۶۸

"جب میری شرح فتح الباری سب کے سامنے آگئی تو اس کی غیر معمولی مقبولیت اور سلاطین وقت کی اس سے غایت دلچسپی دیکھ کر عینی کے دل میں رشک و حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور انھوں نے عمدۃ القاری میں اس کا رد لکھا[1]"۔

حافظ ابن حجر نے بھی علامہ عینی کے فتح الباری پر تعقبات و اعتراضات کے جواب میں ایک کتاب انتقاض الاعتراض کے نام سے لکھنی شروع کی تھی جس کے متعلق مولانا بنوری فرماتے ہیں،

لاريب انه اجاب بعضها جوابا شافيا[2]	بلاشبہ حافظ ابن حجر نے بعض اعتراضات کے شافی و کافی جواب دیے ہیں۔

لیکن زندگی نے وفا نہ کی اس لیے یہ کتاب تشنۂ تکمیل ہی رہ گئی، انتقاض الاعتراض کا ۳۴۴ صفحات پر مشتمل ایک قلمی نسخہ ریاست رام پور کے کتب خانے میں ہے[3]،

لیکن اس سلسلہ میں اعتدال کی راہ یہ ہے کہ دونوں ہی شروح اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہتر اور مکمل ہیں، تفوق و موازنہ اُس عہد کی معاصرانہ چشمک کا نتیجہ ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دنیائے علم میں دونوں ہی آفتاب و ماہتاب کی طرح ضوفشاں ہیں، مولانا بنوری نے اس سلسلہ میں صحیح اور معتدل مسلک اختیار کیا ہے، چنانچہ رقمطراز ہیں،

ثم شرح الحافظ افضل الشروح	حافظ کی شرح تمام شروح میں اس
باعتبار صفة الحديث و حسن	اعتبار سے افضل ہے کہ اس میں صفت حدیث

[1] انتقاض الاعتراض بحوالہ مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۲۵ [2] مقدمہ فیض الباری ج ۱ ص ۳۸

[3] فہرست کتب خانہ رام پور، ج ۱ ص ۶۶

التحرير واتساق النظم وبيان المراد، اما شرح العيني فاحسنها للالفاظ شرحاً واتمها تفسيرا والنثرها النقول الكبار جمعاً ولكنه منتشرة ليس فى اتساق النظم كالحافظ[1]

حسن تقریر، نظم و ترتیب اور مقصد کی وضاحت بدرجہ اتم ہے، اور شرح عینی ..... الفاظ کی شرح، تفسیر کی جامعیت اور اکابر کے اقوال کی نقل کے اعتبار سے فتح الباری سے بہتر ہے لیکن اس کے مباحث منتشر ہیں، اس میں حافظ کی شرح کی جیسی نظم و ترتیب نہیں ہے۔

مکمل فتح الباری کے مخطوط نسخے کتب خانہ رامپور میں ہیں جو گیارہویں صدی ہجری کے مکتوبہ ہیں، خط پاکیزہ اور طلائی جدول سے مزین ہے[2]

۲۔ **بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام**۔ یہ حدیث کی کتاب ہے، اس کے متعلق نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں لو خط بماء الذهب وبيع بالارواح المهج لما ادى حقه[3]۔ حافظ ابن حجر نے اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

"یہ مختصر کتاب احکام شرعیہ کے دلائل حدیث پر مشتمل ہے، میں نے اسے اس لیے تصنیف کیا ہے تاکہ جو شخص اسے یاد کرلے وہ اپنے ہم عصر میں نابغ مانا جائے، اس سے مبتدی بھی استفادہ کرسکتا ہے اور منتہی بھی[4]۔"

بلوغ المرام کی شرحیں کثرت سے لکھی گئی ہیں، جن میں درج ذیل مشہور و ممتاز ہیں،

۱۔ **البدر التمام** للقاضی شرف الدین الحسین بن محمد المغربی۔

۲۔ **سبل السلام**۔ للعلامہ محمد بن اسماعیل الصنعانی، یہ درحقیقت البدر التمام کی

[1] مقدمہ فیض الباری ج ۱ ص ۲۰ [2] فہرست کتب خانہ رامپور ج ۱ ص ۱۰۲ [3] ابجد العلوم ص ۸۴۴،
[4] بلوغ المرام مطبوعہ لاہور ص ۳

تلخیص ہے، جیسا کہ آغاز کتاب میں مصنف نے تصریح کی ہے،

هذا شرح لطيف على بلوغ المرام لابن حجر ..... اختصرته عن شرح القاضي العلامة شرف الدين الحسين بن محمد المغربي ..... مقتصراً على حل الفاظه وبيان معانيه قاصداً بذلك وجه الله ..... معرضاً عن ذكر الخلافات والاقوال الا ان يدعو اليه ما يرتبط به الدليل[1]

یہ حافظ ابن حجر کی بلوغ المرام کی بہت عمدہ شرح ہے، جسے میں نے قاضی شرف الدین کی شرح سے مختصر کیا ہے ..... میں نے اس میں الفاظ کے حل اور معانی کی وضاحت پر اکتفا کیا ہے، اور اس سے میرا مقصود صرف خوشنودی خداوندی ہے ..... میں نے اختلافات و اقوال کے ذکر سے اعراض کیا ہے، لیکن جہاں دلیل کے لیے اس کا ذکر ضروری تھا وہاں ان کا ذکر کردیا ہے۔

بایں ہمہ اس میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن سے البدر التمام خالی ہے، اس بنا پر یہ شرح بجائے خود ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔

۳۔ **فتح العلام** للعلامہ نور الحسن خاں، یہ دو جلدوں میں ہے، ۱۳۰۲ھ میں اسکی تالیف سے فراغت ہوئی، مطبع امیریہ مصر سے طبع ہوئی، اب نایاب ہے۔

۴۔ **مسک الختام** للنواب صدیق حسن خاں، یہ شرح فارسی زبان میں ہے، مصنف کا بیان ہے کہ "ایں نام او را (یعنی مصنف) در منام الہام شدہ"۔ یہ کتاب مصنف کو اپنی تصانیف میں سب سے زیادہ پسند تھی[2]،

[1] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲، ۱۳ [2] اتحاف النبلاء، بحوالہ تحفۃ الاحوذی صفحہ مذکورہ و ابجد العلوم ص ۱۱۴۴

بلوغ المرام کی تالیف سے حافظ صاحب نے ۱۲ ربیع الاول ۸۲۸ھ کو فراغت پائی،[1] لکھنؤ اور لاہور سے متعدد مرتبہ طبع ہو کر شائع ہوئی،[2] ۱۱۸ صفحات پر مشتمل اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں محفوظ ہے۔[3]

۳۔ **لسان المیزان** ۔ یہ امام ذہبی کی شہرۂ آفاق تصنیف میزان الاعتدال فی نقد الرجال کی تلخیص ہے، اس کے متعلق خلیفہ چلپی نے حافظ ابن حجر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میری خواہش تھی کہ میزان الاعتدال کے طرز پر ایک کتاب تصنیف کروں لیکن اس میں طول عمل معلوم ہوا، اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اسی کتاب کی تلخیص اس طرح کر دی جائے کہ ان اسماء کو حذف کر دیا جائے جن کی تخریج ائمہ ستہ یا ان میں سے بعض نے اپنی کتابوں میں کی ہے، اس میں دو فائدے تھے:

احدهما الاختصار والاقتصار والاخرى ان رجال التهذيب اما ائمة موثوقون واما ثقات مقبولون تراجمهم مستوفات في التهذيب وقد جمعت اسماءهم في آخر الكتاب وزدت فيه جملة فازدته من التراجم المستقلة[4]

پہلا فائدہ اختصار و تلخیص، اور دوسرا یہ کہ تہذیب کے رجال یا تو ثقہ ائمہ ہیں یا مقبول ثقات، ان کے تراجم تہذیب میں مکمل ہیں، اور میں نے آخر کتاب میں ان کے نام جمع کر دیے ہیں، اور کچھ مستقل تراجم کا اضافہ بھی کیا ہے۔

چھ جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوئی، اس کے تین قلمی نسخے

---

[1] فہرست کتبخانہ خدیویہ مصر ج ۱ ص ۲۰۰ [2] معجم المطبوعات ج ۱ ص ۷۹ [3] فہرست کتبخانہ خدیویہ مصر ج ۱ ص ۲۰۰ [4] کشف الظنون ج ۲ ص ۵۷۹

کتب خانہ رامپور میں موجود ہیں، جو ۱۲۹۰ھ کے مکتوبہ ہیں۔[1]

۴۔ **الدرایہ فی منتخب تخریج احادیث الہدایہ** ۔ اس کی ابتدا اس طرح ہے: الحمد للہ علی التوفیق الی الهدایة۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں "میں نے جب امام رافعی کی شرح الوجیز کی تخریج احادیث کی تلخیص کی تھی تو امام زیلعی کی تخریج احادیث الہدایہ سے بھی مراجعت کی تھی، میرے بعض احباب نے اس کا خلاصہ کرنے کا مشورہ دیا تاکہ اس سے استفادہ کیا جا سکے، میں نے ان کا مشورہ قبول کر کے اس کا بہترین خلاصہ کیا۔"[2]

اس تلخیص سے ۸۳۲ھ میں فارغ ہوئے، یہ تلخیص دہلی سے ۱۳۲۰ھ اور لکھنؤ سے ۱۳۰۱ھ میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔[3]

۵۔ **الاصابہ فی تمییز الصحابہ** ۔ یہ کتاب طبقات صحابہ میں ہے، اس میں استیعاب، ذیل استیعاب لابن عبد البر اور اسد الغابہ کا خلاصہ اور اس پر مزید اضافہ و استدراک ہے، اس کے حاشیہ پر ابن عبد البر کی استیعاب فی معرفۃ الاصحاب بھی ہے۔[4]

۶۔ **تہذیب التہذیب** ۔ یہ فن رجال کی مشہور کتاب ہے، حافظ عبد الغنی مقدسی (المتوفی ۶۰۰ھ) کی الکمال فی معرفۃ الرجال اور حافظ مزی (المتوفی ۷۴۲ھ) کی تہذیب الکمال فی اسماء الرجال بہت مشہور کتابیں ہیں، انکے متعلق حاجی خلیفہ کہتے ہیں:

وهو كتاب كبير لم يؤلف مثله ولا يظن ان يستطاع[5]

یہ ایک بڑی ضخیم کتاب ہے، نہ اس سے پہلے ایسی تالیف کی گئی اور نہ بعد میں اسکی امید ہے

اس کی بہت سی تلخیصات کی گئی ہیں، ان میں حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب بہت مشہور و ممتاز ہے، اس کے قلمی نسخے کتب خانہ رامپور میں موجود ہیں، جو ۱۲۹۰ھ کے مخطوطہ ہیں۔[6]

---

[1] فہرست کتب خانہ رامپور ج ۱ ص ۱۳۸ [2] کشف الظنون ج ۲ ص ۵۷۹ [3] معجم المطبوعات ج ۲ ص ۸۰ [4] ایضاً ص ۸۱

[5] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۹ [6] کتب خانہ رامپور ج ۱ ص ۱۳۷

۷- **تقریب التہذیب** - یہ تہذیب التہذیب کی بھی تلخیص ہے، سنہ تصنیف ۸۲۷ھ ہے، ابتدا اس طرح ہے: الحمد للہ الذی رفع بعض خلقہ علی بعض درجات الخ تہذیب کے آخر میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ

قام فی عملہ ثمان سنین الا
شہرا واحدا وکان الفراغ
من اختصارہ المسمی بالتقریب
فی تاسع جمادی الآخرۃ
۸۲۷ھ،

اس کی تالیف میں سات سال گیارہ ماہ لگے اور تلخیص تقریب سے فراغت ۱۵ رجمادی الآخرہ ۸۲۷ھ کو ہوئی۔

یہ کتاب لکھنؤ، دہلی اور مصر سے شائع ہوئی ہے۔ رام پور کے کتب خانہ میں متعدد قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔[1]

۸- **کتاب تعجیل المنفعۃ** - مسانید ائمۂ اربعہ کے رجال سے علامہ محمد بن علی نے التذکرہ میں مفصل بحث کی ہے، حافظ ابن حجر نے اسی کو پیش نظر رکھکر یہ تلخیص کی ہے، اور ائمۂ اربعہ کی دوسری تصانیف سے رواۃ کا اضافہ کیا ہے، دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے۔

۹- **الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ** - اس میں آٹھویں صدی کے علماء، فضلاء، صلحاء و اخیار اور اساطین امراء وغیرہ کے حالات و سوانح ہیں، تراجم کی کل تعداد ۵۰۰۴ ہے، اس کی تالیف سے ۸۳۳ھ میں فراغت پائی، اس کے بعد ۸۳۷ھ تک اس میں اضافہ فرماتے رہے، پھر بھی آخر عمر تک اس کی پوری تکمیل نہ ہوسکی، اور بہت سے تراجم رہ گئے، امام سخاوی نے جنھیں آپ سے خاص تلمذ حاصل تھا، اس پر نظر ثانی کرکے مفید حواشی لکھے، اور بہت سے تراجم

[1] فہرست کتب خانہ رامپور ج ۱ ص ۱۳۶

کا اضافہ کیا۔ یہ صرف تذکرہ و تراجم ہی کی تصنیف نہیں ہے بلکہ درحقیقت آٹھویں صدی کی مستند تاریخ کی حیثیت رکھتی ہے، دائرۃ المعارف حیدرآباد سے طبع ہوکر شائع ہوئی۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، حافظ ابن حجر کی تمام تصانیف کا احاطہ و استقصا مقصود نہیں ہے، ان کی تعداد ۱۵۰ سے بھی زائد ہے، مذکورہ بالا جن نو کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے وہ حافظ صاحب کی جلالت علمی اور بلندی شان کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہیں، اور حقیقت تو یہ ہے کہ

لو لم یکن لہ الا شرح البخاری
لکان کافیاً فی علو قدرہ
(فتح الباری ج ۱ ص ۲)

اگر شرح بخاری (فتح الباری) کے علاوہ ان کی کوئی اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو یہی ان کے علوے مرتبت کے لیے کافی تھی۔

حج کا سفر

مرتبہ مولانا محمد رضا انصاری

مولانا محمد رضا انصاری فرنگی محلی، ادبی دنیا میں کتابوں کے ایک اچھے تبصرہ نگار کی حیثیت سے مشہور رہیں، اور نئی کتابوں پر ان کا تبصرہ بہت ہی مبصرانہ ہوتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ وہ عالم بھی ہیں، ادیب بھی ہیں اور صاحب دل بھی، اس لیے ان کا یہ سفرنامہ سفر حج سے متعلق مفید معلومات کا خزانہ، حج کے مسائل کا مجموعہ، حرمین کے آثار و مشاہد کی تاریخ اور ان کے قلبی واردات و تاثرات کا آئینہ ہے، اسلوب بیان کی دلکشی و دلآویزی نے اس میں اتنی کیفیت اور تاثیر پیدا کردی ہے کہ قاری اس کے لطف و لذت میں کھو کر رہ جاتا ہے۔

پتہ :- فرنگی محل کتاب گھر ۹ فرنگی محل لکھنؤ۔ قیمت ۵ روپیہ ۵۰ پیسے

ہندوستان کی عربی شاعری میں جغرافیائی

وتہذیبی اثرات

از جناب ڈاکٹر حامد علی خانصاحب رام پور

(۲)

اس مضمون کی پہلی قسط غلط فہمی سے حامد علی خاں کے بجائے اکبر علی خاں کے نام سے چھپ گئی تھی
جس کا افسوس ہے، ناظرین تصحیح فرمالیں۔ "م"

کوئی شاعر بھی اپنے ملک کے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، مخصوص جغرافیائی اثرات
اس کو مخصوص طرز پر سوچنے پر آمادہ کرتے ہیں، وہ ملک کے تہذیبی وتمدنی اثرات کو غیر شعوری
طور پر قبول کرتا اور اس کے جغرافیائی وتہذیبی اثرات سے اس کا ایک منفرد مزاج بنتا ہے،
اسی لیے یہ مسلمہ اصول ہے کہ شاعری کسی زبان میں بھی کی جائے، اس میں اُس ملک کے جغرافیائی
وتہذیبی اثرات کم وبیش ضرور نمایاں ہوں گے، جہاں کا شاعر ہے، اس اصول کے تحت
ہندوستان کی عربی شاعری میں بھی اس کے جغرافیائی وتہذیبی اثرات کا پایا جانا لابدی ہے،
اس مضمون میں ان ہی اثرات کو دکھایا گیا ہے، اور ابتدا میں پس منظر کے طور پر ہندوستان
کے جغرافیائی وتہذیبی ماحول کا اختصار کے ساتھ تعارف کرایا گیا ہے پھر یہاں کی عربی شاعری میں
ان اثرات کو دکھایا گیا ہے۔

جغرافیائی ماحول ہندوستان اس قدر وسیع اور طویل وعریض ملک ہے کہ اس کو کسی طور پر برصغیر

کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اس ملک کو تین طرف سے بحیرہ عرب، خلیج بنگال اور بحر ہند احاطہ کیے ہوئے
ہیں، ملک میں انواع واقسام کے مناظر اور متضاد آب وہوا کے علاقے ہیں، اگر ایک طرف
راجستھان کا خشک ریگستان ہے، تو اس سے متصل گنگا وجمنا کے دوآبے کا زرخیز خطہ ہے، دکن
کے پلیٹو میں پہاڑیاں ضرور ہیں لیکن عرب کے برخلاف یہاں پہاڑوں کی خشک سطحوں کے درمیان ایسی
گھاٹیاں بھی ہیں، جہاں سدا بہار سبزہ زاروں کی افراط ہے، کشمیر اپنی سرسبزی وشادابی،
آب وہوا کی لطافت، مناظر کی کثرت اور خوشنمائی کی وجہ سے جنت نظیر کہا جاتا ہے، پانچ دریاؤں
کے دیس پنجاب میں بھی سرسبزی وشادابی کی کمی نہیں، گجرات اپنے قدرتی وسائل اور صنعت
وحرفت کے باعث ہمیشہ ہندوستان کا دولتمند اور متمدن علاقہ شمار کیا جاتا ہے، ہندوستان کے شرقی
اور مغربی ساحلوں میں مالابار اور کارومنڈل خصوصیت کے ساتھ اپنی پیداوار اور تجارت
کے لیے قدیم زمانہ سے مشہور ہیں،

ہندوستان کے شمال میں تقریباً دو ہزار میل طویل کوہ ہمالیہ کا بلند سلسلہ ہے، اس میں
دنیا کی بلند ترین چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ واقع ہے، ہمالیہ کی چوٹیاں ہمیشہ برف سے ڈھکی
رہتی ہیں اور شمالی ہند کے چھوٹے بڑے دریاؤں کو جنم دیتی ہیں، ان ہی دریاؤں کی لائی
ہوئی مٹی سے شمالی ہند کی زمین زرخیز اور ہموار ہوگئی ہے، ان ہی دریاؤں کے پانی سے
آبپاشی کا کام لیا جاتا ہے، اس لیے یہ کہنا بجا ہے کہ شمالی ہندوستان کی زرخیزی وشادابی
سلسلہ کوہ کی دین ہے، خود یہ پہاڑ بھی اکثر وبیشتر ہرے بھرے ہیں، یہاں
ساگون، چیڑ، دیودار اور آبنوس جیسی قیمتی اور کارآمد لکڑی بکثرت ملتی
ہے، ان کے ڈھلوانوں پر کاشت کے ذریعے عمدہ پیداوار ہوتی ہے، مختلف اقسام

کے پھل، بے شمار جڑی بوٹیاں، بیش قیمت جواہرات اور معدنیات پائے جاتے ہیں، ہندستان کے جنوب میں مشرقی اور مغربی گھاٹوں کے سلسلے ہیں جو کوہ ہمالیہ کی نسبت سے نیچے ہیں، یہاں بھی چھوٹی بڑی بہت سی ندیاں بہتی ہیں، ان گھاٹوں کی وادیوں میں مشرقی اور مغربی دو شاداب میدان ہیں،

ہندوستان کا شمار اگرچہ گرم ممالک میں کیا جاتا ہے، لیکن وسیع و عریض ہونے کی وجہ سے پورے ملک کی آب و ہوا یکساں نہیں ہے، بلند مقامات کی آب و ہوا سرد اور ساحلی علاقہ کی معتدل ہے، میدانی علاقہ میں گرمی، سردی اور برسات تین موسم ہوتے ہیں، اختلاف آب و ہوا کی وجہ سے نباتات و حیوانات کی اسقدر کثرت ہے اور ان میں اتنا تنوع ہے کہ ان کا احاطہ دشوار ہے،

عرب کے جاہلی شعراء کو یہ جغرافیائی ماحول میسر نہ تھا، اس لیے ان کی شاعری میں بے آب و گیاہ خطے، ریگستان، نخلستان، چشمے، اونٹ، ہرن، دشوار زندگی کو آرام دہ بنانے کی خاطر لوٹ مار، جنگ و جدل اور فخر و مباہات وغیرہ کے مضامین ہیں، عہد اسلام میں عرب شاعروں کو ایران، مصر، شام اور عراق وغیرہ میں رہنے سہنے کا اتفاق ہوا اور ان ملکوں کی آب و ہوا سے سابقہ پڑا، تو یہاں کے تہذیب و تمدن نے ان کی زندگی کو متاثر کیا اور ان کے اسباب تعیش میں گوناگونی و فراوانی ہوئی، اس لیے مولدین[۱] کے مضامین شعری میں بھی تنوع اور رنگینی پیدا ہوئی،

---

[۱] نقادان سخن نے شعرائے عرب کو چار قسموں میں منقسم کیا ہے:-

اول - جاہلیون یعنی وہ شعراء جو ظہور اسلام سے قبل گذرے، مثلاً امرؤ القیس، زہیر، اعشیٰ، عمرو بن کلثوم، علقمہ اور عنترہ بن شداد وغیرہ

ہندوستانی باشندوں اور عرب کے مولدین شعراء کا جغرافیائی ماحول ملتا جلتا تھا، اس لیے ہندوستانی شعراء میں مولدین کی خصوصیات کا ہونا قدرتی امر تھا، (۱) مولدین کی طرح ہندوستانیوں کو بھی تلاش معاش کی خاطر سفر کی ضرورت بہت کم پیش آتی تھی، اس لیے ان کے کلام میں سفر کا ذکر بہت کم آتا ہے، (۲) ہندوستانی شاعر کی محبوبہ خانہ بدوش نہیں ہوتی تھی، اسی لیے کسی ہندوستانی شاعر نے اپنی معشوقہ کو عرب کے جاہلی شاعر کی معشوقہ کی طرح مسافرت اختیار کرتے ہوئے نہیں دکھایا ہے، (۳) سفر نہ کرنے کی وجہ سے مولدین کی طرح ہندوستانیوں کے کلام میں بھی جاہلی شعراء کے مانند مناظر کلبیان او سفر کے مصائب و تکالیف کا ذکر نہیں ہے، (۴) مولدین کی طرح ہندوستانی شعراء کو بھی اونٹ اور گھوڑے سے سابقہ کم پڑتا تھا، اس لیے ان کے اوصاف کا تذکرہ ان کے یہاں مولدین سے بھی کم ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۲) دوم۔ مخضرمون یعنی وہ شعراء جنھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا مثلاً لبید ابن ربیعہ عامری، حسان بن ثابت انصاری، اور کعب بن زہیر وغیرہ۔ بعض اصحاب فن کے نزدیک اموی اور عباسی دونوں حکومتوں کے دیکھنے والے شعرا مخضرمون ہیں، اور بعض ان کو "مخضرمو الدولتین" کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس تعریف کی بنا پر ابو عطا، السندی کا شمار "مخضرمون" میں ہوگا۔

سوم، اسلامیون یعنی وہ شعراء جن کی ولادت ظہور اسلام کے بعد ہوئی مثلاً فرزدق، جریر اور اخطل وغیرہ

چہارم، مولدون یا محدثون یعنی وہ شعراء جن کا عہد اسلامی شعراء کے بعد ہے، مثلاً ابو تمام، بحتری، متنبی، ابو نواس، ابو العلا اور ابو العتاہیہ وغیرہ۔

عام طور سے اموی دور حکومت کے شعرا کو "اسلامیون" اور عباسی عہد حکومت کے شعرا کو "مولدون" یا "محدثون" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، پھر مولدون کے اول، دوم اور سوم وغیرہ طبقات بنائے گئے ہیں، اس تقسیم کے مطابق ہندستانی شعراء میں صرف ہارون بن موسیٰ ملتانی کا شمار "اسلامیون" میں اور باقی دیگر تمام ہندستانی شعراء کا شمار "مولدون" میں ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا خصوصیات ہندوستانی شعراء کے کلام میں عام طور سے پائی جاتی ہیں، البتہ جغرافیائی اعتبار سے ہندوستان کے مخصوص مناظر کا بیان، آب و ہوا، پیداوار، حیوانات طرزِ معاشرت، پیشوں، زراعت اور صنعت و حرفت وغیرہ کا ذکر بہت کم ملتا ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ شعراء کے کلام کا ضائع ہوجانا ہے۔

تہذیبی احوال: ہندوستان کے مسلمانوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:۔

(الف) باہر سے آنے والے عرب، ایرانی اور افغانی وغیرہ۔ (ب) ہندوستانی نژاد۔

عرب ہندوستان میں حاکمانہ حیثیت سے آئے اور بہت تھوڑے عرصے میں سندھ ملتان میں حکومت قائم کرلی، جو تقریباً چار سو سال تک عربی تہذیب و تمدن کی نمایندہ اور نقیب رہی، یہ عرب فاتحین ہندوستان میں خالص عربی تمدن لائے، اس میں ایرانی یا بازنطینی اثرات بڑے کم تھے، چنانچہ لباس میں سر پر کلاہ، اس پر عربی عمامہ، قمیص، صدری، عبا، تہبند یا پاجامے وغیرہ کا رواج تھا، اور جوتے جراب سمیت استعمال کیے جاتے تھے، خوراک میں خرما، گیہوں کی روٹی، چاول، مکا، جوار، باجرہ وغیرہ اور مرغ، دنبہ، بھیڑ، بکری اور اونٹ کا گوشت تھا، فالودہ ان کی عمدہ غذاؤں میں تھا، روغن پستہ میں ترکیب دے کر ایک قسم کا مخصوص کھانا اور مغز استخوان کو شہد میں مسالوں کے ساتھ پکا کر دوسرا کھانا تیار کرتے تھے، شراب کی خرید و فروخت ممنوع تھی، سواری کے لیے گھوڑے اور اونٹ اور کام کاج کے لیے کنیزیں اور غلام تھے، کھیتی باڑی اور باغات کے لیے بڑے بڑے قطعات تھے، جن میں کھجور بھی پھلتی تھی، مجموعی طور پر سندھ کا ماحول اس ماحول سے ملتا جلتا تھا، جسے یہ عرب چھوڑ کر آئے تھے، سونا اور چاندی کی فراوانی کے لیے تو ہندوستان کی سرزمین ہمیشہ سے مشہور چلی آرہی تھی، یہاں کی زرخیز زمین، ان گنت کانوں اور بے انتہا دولت نے نوواردوں پر اچھا اثر کیا ہوگا، ان کی تمدنی ترقی نے ان کے تخیل

اور طرزِ ادا میں بھی حسن و لطافت پیدا کردی ہوگی، سوءِ اتفاق سے ہمارے پاس اس عہد کی ہندوستانی عربی شاعری کے نمونے نہ ہونے کے برابر ہیں، اسلیے انکے بارہ میں کوئی یقینی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔

غزنوی و غوری خاندانوں کے حملے سے ہندوستان میں عرب تمدن زوال پذیر ہوا اور افغانی فارسی تہذیب و تمدن کا رواج شروع ہوا، لباس، غذا اور زندگی کے طور طریق میں تبدیلیاں ہوئیں اور رفتہ رفتہ تکلفات نے قدم جمانا شروع کردیا، اب مخمل، کمخاب اور اطلس وغیرہ بیش قیمت کپڑے دوسرے ممالک سے درآمد کیے جانے لگے، خلجی حکومت کے زمانہ میں امرائے دربار اور عوام کے جداجدا لباس مقرر ہوئے، سید خاندان کے دور میں ایران سے زیادہ ربط و ضبط بڑھا، اس لیے کسی بڑے امیر کی وفات پر سیاہ ماتمی لباس پہننے کا رواج ہوا، مغلیہ عہد میں مختلف عمالِ حکومت کے مختلف انداز کے لباس متعین ہوئے عوام بھی طرح طرح کے ملبوسات استعمال کرنے لگے، انگرکھا، کرتا، چوڑی دار پاجامہ اور چھوٹی موری کا پاجامہ وغیرہ اس عہد کی یادگار ہیں، نو مسلم اور درباری ہندو بھی مسلمانوں کے جیسا لباس پہنتے تھے، اگرچہ عام لباس دھوتی تھا لیکن پاجامہ پہننے کا بھی رواج ہوگیا تھا،

خوراک و لباس کے علاوہ اسلامی عہد میں صنعت و حرفت کو بھی بڑی ترقی ہوئی، مرصع کاری، زر فشانی، کوفت گری، مینا گری، سادہ کاری، شبکہ گری، منبت کاری، جرم کاری، یکم کاری، زرکوبی اور زردوزی وغیرہ صنعتیں بام عروج تک پہنچیں، ہندوستان میں مسلمانوں کی بنائی ہوئی عمارتوں کو طرزِ تعمیر کے اعتبار سے حسب ذیل تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) مغلیہ عہد سے قبل کی تعمیرات جن میں عربی، ایرانی اور ہندو طرزِ تعمیر کے نمونے ملتے ہیں،

دہلی، اجمیر، بیجاپور اور گولکنڈہ وغیرہ کی قدیم عمارتیں ہیں۔

(۲) مغلیہ عہد کی تعمیرات جن میں فن تعمیر کا ایک نیا طرز ہے، آگرہ، دہلی اور لاہور وغیرہ کی عمارتیں ہیں،

(۳) قدیم ہندی طرز کی ایسی عمارتیں جن میں کسی قدر اسلامی طرز تعمیر کی آمیزش ہے گوالیار، متھرا، کھجوراہا اور منڈو راؤ وغیرہ کی عمارتیں ہیں، ان عمارتوں میں محراب اور گنبد جس وضع کے بنائے گئے ہیں، وہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے رائج نہ تھے، اسی طرح پچی کاری کا نادر انداز بھی اسلامی عہد میں پیدا ہوا۔

مسلمانوں سے پہلے ہندوستان میں پھلوں کی قسمیں محدود تھیں، اسلامی عہد میں ملک کے طول و عرض میں باغات پھیل گئے، اور ہندوستان کے باہر سے مختلف قسم کے پھولوں اور پھلوں کے پودے لائے گئے، بہت سے درختوں میں قلم لگا کر ان کے پھلوں کے ذائقے اور حجم دونوں میں اضافہ کیا گیا۔ باغوں میں تختہ بندی کی گئی اور چھوٹی چھوٹی نہریں نکال کر فوارے نصب کرنے کا طریقہ رائج ہوا، جس سے ذوقِ نظر کی تسکین کا سامان ہوا، ہندوستان میں سیب، انگور، انار اور گلاب وغیرہ خصوصاً آم کی بہت سی لذیذ اقسام اسی دور کی پیداوار ہیں،

تہذیب و تمدن کی اس زندگی کا اثر شعر و ادب پر بھی پڑنا ضروری تھا، چنانچہ اس عہد کی فارسی شاعری میں اس کے بہترین آثار واضح طور پر موجود ہیں اسلیے عربی کے ہندوستانی شعرا اپنے ماحول سے کس طرح آنکھیں بند کر سکتے تھے، مگر بدقسمتی سے مغل عہد سے پہلے کے عربی اشعار بہت کم ملتے ہیں، اس لیے اس کی قطعی شہادتیں پیش کرنا دشوار ہے، تاہم تلاش و جستجو سے جغرافیائی و تہذیبی اثرات پر مشتمل جو اشعار مل سکے ہیں ان کے کچھ نمونے پیش کیے جاتے ہیں،

لقد انکر اصحابی وما ذالک بالامثل[1] — اذا ما مُدح الهند وسهم الهند فی المقتل

لعمری انها ارض اذا القطر بها ینزل — یصیر الدر والیاقوت والدرّ لمن یعطل

فمنها المسک والکافور والعنبر والمندل — واصناف من الطیب لیستعمل من یتفل

ومنها العاج والساج ومنها العود والسنبل — وان التوتیا فیها کمثل الجبل الاطول

وفیه الدار صینیّ، وفیه ینبت الفلفل — ومنها البَبر والنمر، ومنها الفیل والدغفل

ومنها الکرک والببغا والطاؤس والجوزل — ومنها شجر الرانج والسّاسم والفلفل

سیوف ما لها مثل، قد استغنت عن الصیقل — وارماح اذا ما هُزّت، اهتز بها الجحفل

فهل ینکر هذا الفضل الا الرجل الاخطل

ہندوستان کے قدیم عربی کے شاعر ابو الضلع سندھی نے کسی موقع پر اپنے ملک کے مفاخر بیان کیے ہیں، اس کے قصیدے کے صرف مذکورہ بالا پندرہ اشعار دستیاب ہو سکے، جن سے قدیم ہندوستان کے متعلق مندرجہ ذیل معلومات حاصل ہوتے ہیں:۔

(ترجمہ[2]) میرے احباب ہندوستان کی فضیلت و عظمت کے منکر ہیں حالانکہ یہ نہایت نامناسب ہے جب ہندوستان کی اور میدان کارزار میں ہندوستان کے نیزے کی تعریف کیجائے تو نہ تعجب کی ضرورت ہے اور نہ حرف گیری کی کوئی وجہ ہے۔ بخدا ہندوستان کی زمین زرخیز ہے، موسم گرما میں حرارت کی شدت سے جب زمین خشک ہو جاتی ہے تو چٹیل اور بنجر دکھائی دینے لگتی ہے، یکایک برسات کے موسم کا آغاز ہوتا ہے اور بارشوں کا سلسلہ ملک بھر میں ساری برسات میں وقفہ وقفہ کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ بارش سے ہر طرف سبزی و شادابی پھیل جاتی ہے، یہ بارش بیکار انسانوں کے لیے موتی، یاقوت اور شیریں دودھ کی شکل اختیار کر لیتی ہے، یعنی زراعت پیشہ لوگ جو پانی کے منتظر تھے، وہ پہلی بارش کے بعد ہی کھیتی کے مختلف کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں، اور اہل ہند جل تھل کو دیکھ کر پھولے نہیں سماتے (اس سے لازمی نتیجہ یہ بھی

---

[1] آثار البلاد ص ۵۵ [2] شاعر کے مقصد کی وضاحت کے لیے لفظی ترجمہ کے بجائے اس کا مفہوم و مقصد بیان کیا گیا ہے۔

اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اہل ہند کی بستیاں مستقل ہیں، وہ عرب کے خانہ بدوش بدویوں کے خلاف ہمیشہ اقامت کی زندگی بسر کرتے ہیں، اور انھیں حصولِ معاش کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کی ضرورت نہیں پیش آتی ہے)۔

ہندوستان مشک، کافور، عنبر اور صندل کا مخزن ہے، یہاں قسم قسم کے عطر پائے جاتے ہیں اور خوشبوئیں تیار کیجاتی ہیں، جن سے گندگی کو زائل کرکے جسم کی طہارت و نظافت حاصل کیجاتی ہے، ہندوستان میں ہاتھی دانت دستیاب ہوتا ہے، ساگون اور سار وغیرہ لکڑی کے درخت بھی یہاں ہیں، نیز اگر اور سنبل کی یہاں کثرت ہے، طویل و عریض پہاڑ کی مانند توتیا، یہاں وافر مقدار میں ہے، یہاں دارچینی بھی ہے اور سیاہ مرچ تو صرف یہیں پیدا ہوتی ہے، ہندستان میں انواع و اقسام کے حیوانات میں سے شیر ببر، چیتا، ہاتھی، ہاتھی کا بچہ، کلنگ، طوطا، طاؤس اور کبوتر ہیں، ہندوستان میں عمارتی لکڑی کی کثرت ہے۔ بعض درخت ساگون، ناریل، آبنوس اور شیشم ہیں، نیز یہاں سیاہ مرچ کے درخت ہیں۔ ہندوستانی شمشیریں اپنی مثال آپ ہیں، انھیں صیقل کی ضرورت نہیں پڑتی، ہندوستان کے نیزے بھی بے مثل اور قابل فخر و ستایش ہیں، جب ہندستانی نیزوں سے آراستہ لشکر میدانِ جنگ میں اپنے نیزوں کو حرکت دیتا ہے تو پھلوں کی چمک دمک اعدا کو خائف بنا دیتی ہے۔ ہندوستان کی فضیلتوں کا انکار صرف ایک بیوقوف شخص ہی کرسکتا ہے۔

گجرات کے بارے میں آصفی الغخانی کا آٹھ شعروں کا یہ قطعہ ملتا ہے[1]:-

بجرات من الغنی عصاه بھا یجد — عنھا بھند مایسوء بمعزل

مرآة فردوس للالہ سلوة — فیھا لآدم کان اول منزل

---

[1] ظفر الوالہ بمظفر و آلہ ۱: ۹۹

روح وریحان وفاکھة کذا — طیر دیجری مائھا بتسلسل

الی تلفت، لویکون بدارہ — لثلثة ین ھبن حزنا یجتلی

ولد انھا کالحور عزمنالھم — این الثریا من ید المتناول

انفوا التکحل غیرة منھم کما — یحمون ثغرا بارد اعن تنبل

کانوا، فبانوا، ثم حل بارضھم — من لایری رای الفتی المتاھل

ففشا التکحل والتنبل فاتبلی — یاصاح، من سکنی الغریب من ابتلی

ترجمہ:- گجرات میں جو شخص سکونت اختیار کرے گا، اسے وہاں ہندوستان کی کوئی خرابی[1] نظر نہیں آئے گی، گجرات فردوس کا آئینہ ہے، اس لیے حضرت آدمؑ کو اس میں پہلی منزل ہونے کے باوجود سکون حاصل ہوا، بادِ نسیم، خوشبودار نباتات، پھلوں اور طیور کی یہاں کثرت ہے، اور دریاؤں کا پانی مسلسل رواں ہے، دیکھنے والا جس طرف بھی دیکھے، چاہے گھر ہی میں ہو، وہ رنج و الم کو ختم کردینے والی تین چیزوں کی وجہ سے مسرور و شادماں رہیگا، حوروں کی طرح خوبصورت بچے جن تک کسی کو دسترس نہیں، ثریا تک کس کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے، اہل گجرات غیرت کے باعث سرمے کے استعمال سے احتراز کرتے ہیں، یعنی ان کی سرمگیں آنکھوں کو اس کی ضرورت نہیں، اپنے سپید دانتوں کی آب قائم رکھنے کے لیے پان استعمال نہیں کرتے، ایک زمانہ تک وہ لوگ مقیم رہے، پھر چلے گئے اور ان کی جگہ ایسے لوگ آباد ہوگئے جن کی رائے انکی رائے سے مختلف ہے، اس لیے اب ان میں سرمے اور پان کا استعمال عام ہوچکا ہے اور اب یہاں کے باشندے اجنبیوں کی سکونت کے باعث ان چیزوں کے عادی ہوگئے۔

---

[1] شاعر کی نظر میں کچھ خرابیاں ہندستان میں موجود ہیں، جن سے گجرات پاک ہے، اس لیے وہ ہندستان میں امتیازی حیثیت کا مالک ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنے وطن اور ہندوستان کی راجدھانی شہر دہلی کی ان الفاظ میں توصیف فرمائی ہے :-

یا من یسائل عن دہلی و نعمتہا	علی البلاد وما حازتہ من شرف[1]
ان البلاد اماء وھی سیدۃ	وانہا درۃ والکل کالصدف
فاقت بلاد الوری عزا و منقبۃ	غیر الحجاز وغیر القدس والنجف
سکانہا احسن الارض قاطبۃ	خلقا و خلقا بلا عجب ولا صلف
بہا مدارس لو طاف البصیر بہا	لم تفتح عینہ الا علی المصحف
کم مسجد زخرفت فیہا منارتہ	لو قابلتہ شموس الضحی ینکسف
ان عدوان زینۃ الدنیا بزینتہا	کم من اب قد علا بابن ذی شرف
وماء جون جری من تحتہا تحکی	انہار خلد جرت فی اسفل الغرف

ترجمہ:- دوسرے شہروں کے مقابلہ میں دہلی کی عظمت و رفعت اور اس کے فضائل دریافت کرنے والے! دہلی معزز خاتون کی طرح ہے اور دوسرے شہر اس کی لونڈیاں جیسی ہیں، دہلی موتی ہے اور دوسرے شہر سیپ، حجاز، بیت المقدس اور نجف کو چھوڑ کر عزت و افتخار میں دہلی دنیا کے تمام شہروں پر فائق ہے، اہل دہلی حسن خلق اور حسن اخلاق میں دنیا کے تمام باشندوں سے بہتر ہیں، اور اس دعوے میں کوئی خود پسندی یا خودستائی نہیں ہے، دہلی کے مدرسوں میں ہر وقت درس قرآن جاری رہتا ہے، جب کوئی آنکھ اس کا جائزہ لے گی تو وہ قرآن ہی کو دیکھے گی، دہلی میں اکثر مسجدوں کے مینار اس قدر مزین ہیں کہ سورج کی چمک دمک ان کے سامنے ماند ہے، اگر دنیا کی زینت دہلی کی زینت کے بدولت ہے تو اس میں تعجب

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: ۵۳ و ۵۴

کی کیا بات ہے، بہتیرے باپ اپنے بیٹوں کی عزت و شرف سے عالی رتبہ قرار پاتے ہیں، دہلی کے نیچے جمنا کا پانی خلد بریں کی ان نہروں کے مشابہ ہے جو بالاخانوں کے نیچے بہہ رہی ہیں۔

ہندوستانی شعراء نے موسم بہار کا وصف بھی لکھا ہے، موسم ربیع سے متعلق سید حسین لکھنوی کے چار شعر ذیل میں درج ہیں :-

جاء الربیع باسعد الاحیان	فازاح عنی جملۃ الاحزان[1]
قد اشربت فی الروض ماء نضارۃ	شجراتہا المہزولۃ الاغصان
صارت کامثال العرائس بہجۃ	تحکی ملابسہا ثیاب جنان
قد صار معتدلا مزاج نسیمہا	فجنوبہا وشمالہا سیان

ترجمہ:- موسم ربیع مبارک گھڑی لایا، اور اس نے میرے تمام رنج و الم دور کر دیے، سرسبزی و شادابی پیدا کرنے والے پانی نے باغ کے کمزور شاخوں والے درختوں کو خوب سیراب کر دیا۔ درخت حسن و جمال میں دلہنوں کی طرح بن گئے ہیں جن کی پوشاک جنت کے کپڑوں کے مشابہ ہے، باد نسیم کا مزاج معتدل بن گیا ہے، اس لیے اب باد جنوبی چلے یا باد شمالی: دونوں برابر ہیں۔

عبدالجبار خاں آصفی نے ایک قصیدے میں قدیم تشبیب کے ساتھ بہاریہ تشبیب بھی لکھی ہے، اس میں موسم بہار اور باغ کی منظرکشی نہایت خوبی سے کی ہے

کم راحۃ روحت بالروحاء	بالروح والریحان والنعماء[2]
کان الربیع علی الربی ونسیمہا	ربت نبات الورد فی الخضراء
والطل فوق الورد فی اوراقہ	کالدر فوق الخد من حسناء

[1] مجموعہ قصائد بہجۃ الالباب (مخطوط) ۲: ۶۲ [2] کلیات نظم آصفی: ۲۰ و ۲۱

والوردة الحمراء بين الصفة الخضراء   فوق الحوضة البيضاء

فاقت خدود الحسان بحمرة   تحت العيون النعس الشهلاء

قلع الربيع عن الشتاء خيامه   رفع القباب ككلة قشعاء

ومق العذار من العذارى وامقا   قلبي فعاد كوامق العذراء

ولنزهة الانظار زرى مطارف   منشورة من وردة حمراء

نصبت منابر فضلها اطيارها   بتغرد الالحان كالخطباء

والروح تمرح كلما نسماته   تحركت من نفحة الانماء

انهارها تجري بماء لجينها   ابدت به فضية الانواء

النرجس الشهلاء وسط الروضة الخضراء تحت لمزنة الهطلاء

جذب القلوب لديه من لحظاته   من كان منقطعا الى البيداء

من كف امواج الحياض صوارم   بتارة كاللحظة المبتراء

فالهم من اشفارها متقطع   والغم صيد نصولها الزرقاء

والسوسن النض الطرى لسانه   متشكر للروضة الغناء

وترقرق الامواه بين حياضه   وتلفق الامواج بالهوجاء

والطيب يقبض ذيله ايدى الصبا   وتجره بتنازع الخصماء

فجيوبها مشقوقة وذيولها   مصحوبة كميلة الصباء

كنت المغرد باشدى مترنما   فى روضة اللذات كالورقاء

ترجمہ :- خوشگوار نرم ہوا، خوشبودار پھول اور سامان عیش کے ساتھ میں نے باغ کی کشادہ روشوں میں شام کے وقت لطف و تفریح حاصل کی، اونچے ٹیلوں پر بہار جلوہ آرا تھی

اور اس کی باد نسیم نے گلاب کے پودوں کو سرسبز کر دیا تھا، گلاب کی پنکھڑیوں میں اوس ایسی لگتی تھی جیسے حسین معشوقہ کے رخسار پر آب دار موتی، سرخ گلاب سرسبز چبوترے کے درمیان سفید براق حوض کے اوپر اپنی سرخی میں حسینوں کے رخساروں اور ان کی نیم خوابیدہ آنکھوں کی سرخی پر فائق تھا، جو سرخی مائل سیاہ آنکھوں میں ہوتی ہے، موسم ربیع نے جاڑے کے خیموں کو اکھاڑ دیا اور باریک پردوں جیسے گنبدوں کو بلند کر دیا، اس خوشگوار موسم میں دوشیزہ لڑکیوں کی حیا نے عاشق کو محبت کی دعوت دی اور میرا دل عذرا کے مشہور عاشق وامق کی طرح ہو گیا، نظروں کی تفریح کے لیے سرخ گلاب کی ریشمی چادریں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔

طائران چمن نے نغمہ سنجی کے لیے خطیبوں کی طرح اپنی عظمت و فضیلت کے منبر نصب کیے، جب باغ کی نرم رو ہوائیں بالیدگی و روئیدگی کے جھونکے سے متحرک ہوتی ہیں، تو روح مسرور و شادمان ہو جاتی ہے، باغ کی نہریں چاندی جیسے چمکدار پانی سے رواں ہیں جس سے نقرئی بارش کا سماں پیدا ہو گیا ہے، سرسبز باغیچے کے وسط میں لگا تار برسانے والے سفید بادل (فوارے) کے نیچے نیم خوابیدہ نرگس نے اپنے گوشہائے چشم سے تارک الدنیا صحرا نشینوں کو بھی اپنی طرف مائل کر لیا ہے، حوضوں کی موجوں کے ہاتھ میں تیز اور براں شمشیریں ہیں جو گھائل کر دینے والی آنکھ کی طرح زخمی کرنے والی ہیں، اس لیے ان کے کناروں سے رنج و الم کٹ جاتا ہے، اور غم ان کے نیل گوں پیکانوں کا شکار ہے یعنی منظر ہر قسم کے رنج و الم کو دور کر دیتا ہے۔

گل سوسن کی پتلی و تر و تازہ زبان بہ لسان حال گھنے باغ کی شکر گذار ہے، باغ کے حوضوں کے درمیان پانی چکر کھا رہا ہے اور تیز آندھیوں کی وجہ سے موجیں مضطرب و بے قرار ہیں۔ باد صبا کے ہاتھوں نے خوشبو کے دامن پر قبضہ کر لیا ہے، اور وہ دشمنوں کی کشاکش کے باوجود اس کو کھینچ رہی ہیں۔

اس لئے ان کے گریبان پھٹے ہوئے ہیں، اور ان کے دامن جھاگ دار شراب کی طرح چھلنی ہو گئے ہیں (اس سامان طرب کی وجہ سے) میں نے بھی کبوتر کی طرح لذتوں اور مسرتوں کے باغ میں خوب خوب نغمہ سنجی کی۔

مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی نے آم کا وصف بیان کرتے ہوئے اس کی خصوصیات، مختلف رنگوں، مختلف قسموں، شکلوں اور ذائقے ہی کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ہندوستانی باشندوں کا احباب کے ساتھ آم کی فصل میں باغوں میں جانا، بے تکلفی سے مل جل کر کھانا پینا اور تفریحی مشاغل میں وقت گذارنا بھی بیان کیا ہے، آج بھی ہندوستان میں پکنک پارٹیاں باغوں میں اسی طرح جاتی ہیں،

ان کنت تبغی اطیب اللذات   فعلیک صاح! بانبۃ الثمرات

فی حسن مرأی، فی نباھۃ سیرۃ   فی لطف ذات، فی سمو صفات

من طعمھا فی کل قلب شھوۃ   فکانھا مجموعۃ الشھوات

یا حسن حمرتھا، وخضرتھا وصفرتھا علی الاشجار فی الروضات

واذا عصارتھا مصصت وجدتھا   احلی کمثل رضاب محبوبات

وتری ثمارا علقت فی غصنھا   مختوم راح فی اکف سقاۃ

لم تختلف کمثالھا الاثمار فی   الالوان والاذواق والھیئات

ھذا، ولا تحسبہ صنفا واحدا   بل جملۃ الاصناف مختلفات

سبحان من بالفضل فضلھا علی   اشھی مذوقات ومطعومات

بالجامعیۃ فاقت الاثمار کال   انسان فاق جمیع حیوانات

جل القدیر الفرد، من فی ثمرۃ   بالصنع جمع سائر الثمرات

للہ در بھائھا ودنائھا   من غصنھا تنفک بالعبرات

للمرء فیہ منتھی حاجاتہ   تغنیہ عن ماء وعن اقوات

واذا دعاک اللہ صاح! فاتہ   وتمتعن بہ قبیل فوات

فاذا انقضت ایامہ کالبرق لا   یجدیک حینئذ سوی الحسرات

لا غرو ان قصرت مداھا فان ا   یام السرور تمر کالساعات

یا صاح! ماھذا الجمود فقم بنا   نخرج الی الانھار والدوحات

فالغیم یبکی مثل صب ھائم   والبرق یضحک نحو مبتسمات

والورق یصفق باتفاق غصونھا   والطیر یسجع باختلاف لغات

او ماتری الماء المبارک کیف انسیت سائر الانھار والحبات

فدع التنسک ساعۃ بجماعۃ   نقضی فرائض ھذہ الاوقات

نلھو، ونترامی الثمار وحبھا   ونشورھا ببدائع الحرکات

نفری شتاء الدھر عنا یومنا   بترنم یحیی العظام رفات

ولئن یلمک اللائمون فقل لھم   الاضطرار تبیح محظورات

ترجمہ:- اگر تم کو پاکیزہ ترین لذت درکار ہو تو پھلوں میں سے آم کو اختیار کرو، وہ دیکھنے میں بھی حسین ہے، اس کی سیرت بھی اعلیٰ ہے، ذات بھی عمدہ ہے اور صفات بھی بلند ہیں، اس کی لذت کی وجہ سے ہر دل میں اس کی خواہش ہے، گویا آم جملہ لوگوں کی خواہشات کا مجموعہ ہے، باغات میں درختوں پر لگے ہوئے سرخ، سبز اور زرد آم کیسے حسین معلوم ہوتے ہیں! جب تم آم کے رس کو چوسو گے تو اس کو اتنا شیریں پاؤ گے جتنا معشوقوں کا لعاب دہن، پھلوں کو دیکھو تو ٹہنیوں میں لٹکے ہوئے ایسے لگتے ہیں جیسے ساقی کے ہاتھوں سربمہر شراب، رنگوں، ذائقوں اور ہیئتوں کے اعتبار سے آم کی سی گونا گونی دوسرے پھلوں میں نظر نہیں آتی، آم کی محض ایک قسم نہ سمجھو بلکہ اس کے اقسام مختلف ہیں،

لہ الھدیۃ السنیۃ: ۱۱

وہ ذات برتر و پاکیزہ ہے جس نے پسندیدہ ترین ماکولات و مطعومات پر آم کو فضیلت بخشی۔[9]

آم اپنی خوبیوں کی جامعیت کے اعتبار سے تمام پھلوں پر اس طرح فائق ہے،[10] جس طرح انسان تمام حیوانات پر۔ وہ بے ہمتا قادر مطلق عظیم و برتر ہے جس نے اپنی حکمت و کارگیری سے تمام پھلوں کو ایک پھل آم میں جمع کر دیا ہے، جب آم ٹہنیوں میں دکھائی دے تو تو اسے مذکورۂ بالا صفات میں نزدیک اور موصوفات کے لحاظ سے عظیم پائے گا۔[11][12]

آم کے حسن و جمال اور ٹہنی سے اس کی وفاداری میں خدا کی شان نظر آتی ہے، کہ وہ ٹہنی سے آنسو بہاتا ہوا جدا ہوتا ہے،[13] انسان کی ضروریات اس سے پوری ہو جاتی ہیں، وہ اس کو پانی اور دوسری غذاؤں سے بے نیاز کر دیتا ہے،[14] جب خدا تم کو بلائے (یعنی موت آ جائے) تو خدا کے پاس اس حال میں جاؤ کہ موت سے کچھ پہلے اس پھل سے لطف اندوز ہو چکے ہو۔[15]

جب آم کا موسم بجلی کی طرح گزر جائے تو اس وقت حسرت و افسوس کے علاوہ کوئی چیز سود مند نہ ہوگی،[16] اگر آم کی فصل قصیر المدت ہے تو کوئی حیرت کی بات نہیں، کیونکہ خوشی کے دن گھڑیوں کی طرح گذر جاتے ہیں۔[17]

اے دوست! یہ کیسا جمود ہے! ہمارے ساتھ چلو، ہم تمھیں نہروں اور گھنے درختوں کی طرف لیجائیں گے،[18] اس وقت ابر حیران و سرگرداں عاشق کیطرح گریاں ہے، اور برق شرمیلی مسکرانے والی محبوباؤں کی طرح خنداں، پتے ٹہنیوں کے ساتھ مل کر تالیاں بجا رہے ہیں، اور پرندے مختلف نغموں میں چہچہا رہے ہیں،[19][20] کیا تم اس مبارک پانی کو نہیں دیکھ رہے ہو جس نے تمام پھولوں اور دالوں میں کیسی روئیدگی پیدا کر دی ہے؟[21] کچھ دیر کے لیے لطف و تفریح کی خاطر عبادت کو چھوڑ دو،[22] اب اس وقت کے فرائض ادا کرینگے ہم پھلوں، انکی گٹھلیوں اور چھلکوں سے طرح طرح کھیلیں گے اور انکو ایک دوسرے پر پھینکیں گے،[23] ہم آج ایسے نغمات ذریعے اپنے سے مضافات زمانہ کو دور کرینگے جو بوسیدہ ہڈیوں کو بھی زندہ کر دیتے ہیں،[24] اگر ملامت گر تمھارے اس فعل پر طعن و تشنیع کریں تو ان سے کہہ دینا: اضطراری حالت میں ممنوعات مباح ہو جاتے ہیں۔[25]

(باقی)

کتب خانہ عرفانیہ کے نادر مخطوطات

از جناب مولانا حکیم محمد عمران خاں صاحب نقشبندی ایم اے

(سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو معارف ماہ مارچ ۱۹۶۸ء)

(۱) **انوار البروق فی انوار الفروق۔** شیخ شہاب الدین احمد بن ادریس الصباحی المالکی المتوفی ۶۸۴ھ / ۱۲۸۵ء کی مصنفہ ہے، اسمیں فقہ مالکی کے اصول و قواعد بیان کیے گئے ہیں، پانچسو سے زائد "فروق" پر مشتمل ہے، پیش نظر نسخہ قدیم ہے، لیکن صرف ابتدائی نصف حصہ ہے، وہ بھی آخر سے ناقص ہے، مگر نسخہ نہایت قدیم اور عمدہ ہے، صفحۂ اول پر متعدد عبارتیں مالکین نسخہ کی درج ہیں، مگر کچھ محو شدہ اور کچھ جیٹ زدہ ہیں، ایک عبارت کے ساتھ ۹۵۴ھ لکھا ہوا ہے۔

آغاز:۔ الحمد للہ خالق الاصباح وفارق اهل الغی عن اهل الفساد۔ الخ

(۲) **فتاوی برهنہ۔** یہ نسخہ دو جلدوں پر مشتمل ہے، جلد اول ۱۶ رمضان ۱۱۱۹ھ کو اور جلد دوم ۴ شعبان ۱۱۲۱ھ کو بزمانہ بہادر شاہ تمام ہوئی۔ مولوی نصیر الدین مفتی لاری مولف ہیں، اس نسخہ کے کاتب اور مالک حافظ عبد اللہ دوست محمد قصوری ہیں، بعد میں کاتب کی جانب سے یہ نسخہ محمد شریف کی ملکیت میں آیا، اس کے بعد سید عابد شاہ

جیلانی کی ملکیت میں رہا، یہ نسخہ شاہی کتب خانہ میں بھی رہا ہے، ہر دو جلد پر یہ نوٹ درج ہے:

"مالک ہو اللہ —— تحویل حاجی محمد رضا"

نسخہ خوشخط اور اچھا ہے، جلد اول میں مسائل فقہیہ پر مشتمل متعدد یادداشتیں درج ہیں:۔

(۳) **فاکہۃ البستان**۔ مخدوم محمد ہاشم بن عبدالغفور بن عبدالرحمٰن تتوی سندھی المتوفی ۱۱۷۴ھ کی تصنیف ہے، جو سندھ کے مشہور عالم اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، "جنۃ النعیم فی فضائل القرآن العظیم" ۱۱۳۴ھ، "حیات القلوب فی زیارۃ المحبوب" ۱۱۳۵ھ، "بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ" ۱۱۶۶ھ اور "درہم الصرہ فی وضع الیدین تحت السترہ" آپ کی یادگار ہیں، "معیار النقاد فی تمیز المغشوش من الجیاد" بھی آپ کی مصنفہ ہے،

پیش نظر کتاب اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ ۱۱۲۸ھ میں اسکی تصنیف شروع ہوئی، کتاب الصید والذبائح کے تمام مسائل، کتب فقہیہ معتبرہ سے اخذ کر کے اس کتاب میں جمع کئے گئے ہیں، اور تمام جانوروں کے خواص، ان سے متعلق احکام و مسائل حروف تہجی کی ترتیب سے بیان کیے گئے ہیں، یہ نسخہ اس کتاب کا قدیم اور نادر نسخہ ہے، کاتب کا نام اور تاریخ کتابت اگرچہ درج نہیں لیکن مصنف کی حیات یا اس کے کچھ بعد کا لکھا ہوا ہے، یہ نسخہ حافظ غیاث الدین ملتانی کی ملک میں رہا ہے، تقریباً پانچسو صفحات پر مشتمل ہے۔

آغاز:۔ سبحانک اللّٰھم لا علم لنا الا ما علمتنا..... محمدک یا من انزل القرآن الخ

(۴) **کشف الغمّی وحل المعمّی**۔ (تبصرۃ الاذکیاء)۔ تصنیف محمد نور الدین۔

پیش نظر نسخہ مصنف کا اصل مسودہ ہے، جو ۱۲۴۲ھ کا لکھا ہوا ہے۔ پانچسو صفحات پر مشتمل ہے، لیکن پوری کتاب معموں میں ہے، اس لیے کتاب سے استفادہ ممکن نہیں، شاید اس فن کا جاننے والا کچھ سمجھ سکے۔ مرتب کتاب محمد نور الدین غالباً وہی ہیں جو رامپور کے رہنے والے تھے، تذکرۂ کاملان رامپور اور نزہۃ الخواطر میں ان کا ذکر ہے لیکن تفصیلی حالات معلوم نہیں، اس کتاب میں ۵ جمادی الاولی ۱۲۱۲ھ اپنی تاریخ ولادت لکھی ہے، ابتدا میں نسب بھی لکھا ہے،

آغاز:۔ الحمد للہ الذی تقدس معمّی ذاتہ من وصمۃ الترکیب والتحلیل الخ

(۵) **کتاب الاسماء والصفات**۔ امام بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ کی مشہور تصنیف ہے، پیش نظر نسخہ اس کتاب کا ایک قدیم نسخہ ہے، جو ۶۷۱ھ کا لکھا ہوا ہے، لیکن ناقص ہے، اول کے بھی چند ورق کم ہیں، ابتدائی حصہ "اسماء" کے بیان میں ہے، اس حصہ کے اختتام پر کاتب نے سن کتابت ۶۷۱ھ لکھا ہے، اس کے بعد کا حصہ "صفات" کے بیان میں ہے، اور یہ حصہ کافی کرم خوردہ ہو چکا ہے، کاغذ دبیز، خط عربی قدیم، کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا، اس نسخہ کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے اصل نسخہ سے اس کا مقابلہ کیا گیا ہے، حاشیہ پر مقابلہ کے کچھ نوٹ دیے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک پر کاتب نے اپنا نام "احمد بن الطوخی" لکھا ہے، اول سے آخر تک متعدد مہریں مدور ثبت ہیں، جن میں یہ شعر کندہ ہے:۔

منصف این طرفہ نسخہ دلخواہ ——— وقف شد خالصاً لوجہ اللہ

(۶) **فتوح القاری عن فیوض الباری لقاری صحیح البخاری**۔ ۱۱۱۵

مولوی دوست محمد دہلوی تغلق آبادی اس کے مرتب ہیں، شروع میں اپنا نسب اس طرح

لکھا ہے :-

دوست محمد بن نضیل بن ادریس بن قطب الدین بن شکر اللہ عرف عثمن القریشی الدہلوی التغلق آبادی "

بخاری کی مختلف شروح سے اخذ کرکے یہ شرح عربی میں تیار کی گئی ہے، ۱۱۴۰ھ میں اس شرح کی ابتدا ہوئی، کتاب کے شروع میں ایک مفصل مقدمہ شامل ہے، آخر سے ناقص ہے۔ صرف "باب الوضوء من غیر حدث" تک ہے، البتہ کاتب نے شروع میں نوٹ لکھا ہے کہ یہ کل ۱۹ جزء و ۶ ورق ہیں، لیکن اب صرف جزء ۱۵ ورق ۱۵ محفوظ ہیں، کاتب کا نام معلوم نہیں ہو سکا، شروع میں مولوی محمد مفتی کی مہر "محمد مظہر ابرار عرفان" ثبت ہے، یہ کتاب مولوی سیف الدین صاحب کی ملکیت میں بھی رہی ہے۔ آپ کی دو مہریں قدرے محو شدہ ثبت ہیں، جن میں محمد سیف دین کندہ ہے۔

آغاز :- الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات الخ

(۷) شرح قصب السکر نظم نخبۃ الفکر ۔ محمد بن اسمعیل الامیر الیمانی اس کے ماتن اور شارح ہیں، ۱۷ رجب ۱۱۷۳ھ کو اس شرح کی تکمیل سے فارغ ہوئے، یہ نسخہ خوشخط لکھا ہوا اچھا نسخہ ہے، کاتب کا نام اور تاریخ کتابت درج نہیں، اس نسخہ کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ساتھ علامہ حسین بن محسن انصاری مقیم بھوپال کی وہ اصل اجازت شامل ہے جو آپ نے ۹ شعبان ۱۲۹۹ھ کو سید عرفان میاں ٹونکی کو عنایت فرمائی۔

(۸) در المجالس :- از سیف الظفر نوہانوی۔ اس نسخہ پر اگرچہ

تاریخ کتابت وغیرہ نہیں ہے، لیکن پیش نظر نسخہ بہت اچھا ہے، اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ کاغذ دیسی باریک ہونے کے باوجود دو ورقہ ہے، اگر ہر ورق کے دو ورقے کر دیے جائیں تو لکھائی وغیرہ پر اثر ہوئے بغیر دو ورق علیحدہ ہو جاتے ہیں اور ایک نہایت باریک جھلی کی طرح معلوم ہوتے ہیں، اول سے آخر تک ہر ورق میں یہی صفت ہے۔ ورق اول ناقص ہے۔

(۹) مجموعہ نظم صدیق بن عمر خان ۔ صدیق اللہ ثانی سلل بن عمر خاں[1] شاگرد شیخ محمد سمان کے قصائد کا مجموعہ ہے، (۹۰) اوراق پر مشتمل ہے، کاتب نے اپنا نام اور تاریخ کتابت نہیں لکھی لیکن پیش نظر نسخہ ناظم کتاب کی حیات کا لکھا ہوا ہے، اختتام کتابت پر ذیل کا نوٹ دیا ہوا ہے :-

"بلغ مقابلتہ علی الام المنقول منہا بحسب الطاقۃ والامکان فی شہر ربیع الاول ۱۲۱۹ھ فی زاویۃ الناظم شیخنا الفرد الخلیفہ صدیق ابن عمر خان اعاد اللہ علینا من برکاتہ وعلومہ"

اس کے علاوہ ابتدا میں چند مہریں "عبد الرحمن بن شیخ عمر" کی ثبت ہیں جن میں ۱۲۱۶ھ کندہ ہے، نسخہ اچھا ہے۔

آغاز :- الحمد للہ رب العلمین ..... اما بعد فہذہ بعض قصائد قال ناظمہا الخ

(۱۰) نشوۃ النفوس فی مدام الکؤس ۔ شرح قصیدہ قابلیہ۔ یہ نسخہ بھی ممالک عربیہ کا لکھا ہوا ہے، کاتب نے اپنا نام اور تاریخ کتابت نہیں لکھی ہے،

---

[1] یہ عمر خاں وہی ہیں جو روضۃ الخطباء و مغنم الاتقیاء کے مرتب ہیں جس کا ذکر اسی مضمون کے پہلے نمبر میں گذر چکا ہے، ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: عمر خان بن محمد عارف عبد الغفور جالی ..... المدنی موطنا والدرونی الفقتی مولدا۔

۱۳/ ذیقعدہ ۱۲۱۹ھ کو اس کا مقابلہ کیا گیا۔

آغاز:- الحمد للہ رب العالمین ...... اما بعد فہذا شرح لطیف
علی القصیدۃ القابلیۃ۔ الخ

(۱۱) **شرح فارسی قصیدۂ بانت سعاد**۔ شارح محمد عابد بن
شیخ عبداللہ بن شیخ حامد لاہوری ہیں، یہ نسخہ صدر الدین بن شیخ احمد بن شہر اللہ الجند نوتی
کے قلم کا لکھا ہوا ہے، ان کا بیان ہے کہ ۱۱۰۱ھ میں بحیات مصنف یہ نسخہ لکھا گیا،
شروع میں ایک مقدمہ بھی شامل ہے۔

آغاز:- حمدی کرشاہ بیت قصیدہ فصاحت بود۔ الخ

اس کے ساتھ قصیدہ بردہ کی بھی ایک بہتر شرح شامل ہے۔

(۱۲) **قاموس**۔ مجد الدین محمد فیروز آبادی قاضی زبید المتوفی ۸۱۷ھ
کی مشہور لغت کی کتاب ہے، پیش نظر نسخہ اس کتاب کا قدیم نسخہ ہے، نسخہ اگرچہ مکمل ہے،
لیکن اتفاق سے آخر کا وہ ورق ضائع ہوگیا ہے، جس میں تاریخ کتابت درج تھی،
امتداد زمانہ سے درمیان کے اوراق ضائع ہوگئے ہیں، جو بعد میں لکھکر شامل کیے گئے
ہیں، اصل نسخہ کی کتابت قدیم ہے، اندازہ ہے کہ نویں یا دسویں صدی کا ضرور ہونا چاہیے
۱۰۷۲ھ میں یہ نسخہ مصر میں احمد الدمشقی کے قبضہ میں آیا۔ ورق اول سے دو مہریں محو شدہ
ہیں، ان میں ایک مہر میں "خصم" کندہ ہے اور اس کے ساتھ قلم "نسخہ فقیر" لکھا ہے، جیسا کہ
اس کتب خانہ کی بعض دوسری کتابوں کے ساتھ اس مہر کا ذکر گذر چکا ہے۔ کاغذ
بہت بوسیدہ ہوچکا ہے۔

(۱۳) **شرح جامی**۔ نحو کی مشہور کتاب ہے، پیش نظر نسخہ اسکا قدیم نسخہ ہے

اور شارح عبدالرحمن الجامی المتوفی ۸۹۸ھ کی حیات کا لکھا ہوا ہے۔ ۱۱/ رمضان
۸۹۷ھ اس کی تاریخ کتابت ہے، کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا، کاغذ خاکی تقطیع خورد
امتداد زمانہ سے کاغذ بہت بوسیدہ ہوگیا ہے، آخر میں ایک مہر مدور ثبت ہے جس میں
"عاقبت محمود" کندہ ہے، نیز ایک مہر مدور محو شدہ ہے۔

(۱۴) **حاشیہ ملا عصام بر شرح جامی**۔ یہ نسخہ بھی اس حاشیہ
کا ایک قدیم نسخہ ہے، کاتب سلطان محمد بن محمد یار حصاری ہیں، ۱۵/ ذی الحجہ ۹۸۴ھ
تاریخ کتابت ہے، ۱۱۳۰ھ میں یہ نسخہ سید نور الحسن بن سید نجابت قوم سادات
حسینی الموسوی کی ملک میں بھی رہا ہے۔

(۱۵) **حاشیہ علی العافیہ شرح الکافیہ**۔ عافیہ شرح کافیہ
مولانا رکن الدین کی تصنیف ہے، شیخ محمد بن عمر الحلبی نے "کشف العوافیہ فی شرح
الکافیہ" کے نام سے اس کا حاشیہ لکھا۔ یہ وہی حاشیہ ہے، کاتب علی بن احمد بن محمد
ابن علی بن منصور النافعی ہیں، ۶/ جمادی الاولی ۸۹۰ھ تاریخ کتابت ہے۔ نسخہ
قدیم اور نہایت عمدہ ہے۔

(۱۶) **شرح جامی**: یہ بھی شرح جامی کا ایک قدیم نسخہ ہے، کاغذ خاکی
کرم خوردہ بوسیدہ، کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا، یہ نسخہ ۹۰۷ھ کا لکھا ہوا ہے، اول و
آخر سے دو دو مہریں اور کچھ عبارتیں محو شدہ ہیں۔

(۱۷) **شرح مراح الارواح**۔ از ملا جلال، یہ نسخہ رمضان ۱۱۶۹ھ
کا لکھا ہوا ہے، کاتب کا نام درج نہیں، نسخہ اچھا اور صاف ہے، شروع میں مہر عباس مرزا
کی ثبت ہے، تین چھوٹی مہریں مداد زدہ ہیں۔

(۱۸) **شرح مائۃ عامل**۔ اس نسخہ کے کاتب غلام محمد ہیں، تاریخ کتابت درج نہیں۔ ۱۱۳۵ھ میں یہ نسخہ مولوی دوست محمد کی ملکیت میں آیا، ان کی ایک مہر مدور، کلاں آخر میں ثبت ہے، جس میں یہ عبارت کندہ ہے :۔

"دوست محمد بن عبد الحمید بن قاضی لقمان"۔

(۱۹) **نغزک شرح زرادی** ۱۱۲۹۔ یہ شرح ملا محمد مسعود اویسی بن محمد یعقوب کی مصنفہ ہے، یہ نسخہ ۱۵ ربیع الاول ۱۰۹۷ھ مطابق سنہ ۲۹ جلوس عالمگیر کو شہر ملتان میں بزمانۂ باقر خاں عامل لکھا گیا، کاتب کا نام درج نہیں، اول میں ایک مہر مربع "فقیر نور محمد خادم العلماء" ثبت ہے، جس میں ۱۱۵۰ھ کندہ ہے، آخر میں صاحب مہر کے قلم سے یہ عبارت تحریر ہے :۔

"این کتاب نغزک شرح زرادی حق و ملک فقیر حقیر ... نور محمد خلف میاں محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ"۔

ایک مہر مربع شروع میں اور ثبت ہے، جس میں "الٰہی عاقبت بخیر باد" کندہ ہے۔

اس کے علاوہ اول و آخر سے ایک مہر محو شدہ اور چیٹ زدہ ہے ۱۱۷۸ھ نسخہ اچھا ہے۔

(۲۰) **شرح ایساغوجی للسکّاکی**۔ یہ نسخہ بھی ایک قدیم نسخہ ہے، کاتب محمد بن موسیٰ بن علی بن حسن بن شرف المعروف بامیر حلوائی ہیں، ۸۲۶ھ میں یہ نسخہ لکھا گیا، اول سے آخر تک محشی ہے، شروع میں ایک بیضوی مہر "اللھم اجعلہ فاضلاً حامداً" ثبت ہے، اور اس کے ساتھ صاحب مہر کے قلم سے یہ عبارت تحریر ہے :۔

"من مواہب تعالیٰ علی عبدہ الفقیر الی اللہ الشیخ محمد فاضل ابن الشیخ حامد کان اللہ لہما"۔

ایک دوسرے قلم سے یہ عبارت لکھی ہے :۔

"ابتیخ درسہ فی الاحد والثلثاء والخمیس والسبت والاثنین والاربعاء فی السلیمانیہ"

نسخہ نہایت عمدہ، قدیم اور نادر ہے، مختصر شرح ہے۔

آغاز :۔ الحمد للہ الواجب وجودہ الممتنع نظیرہ۔ الخ

(۲۱) **حاشیہ اخون یوسف بر میبذی**۔ یہ حاشیہ بحیات محشی ۱۰۲۸ھ میں شہر بخارا مدرسہ عالیہ کلکتاس میں لکھا گیا، قدیم اور بہتر نسخہ ہے، کاتب نے اپنا نام اعداد میں ۱۳۱۶۳۱۴۲۷ لکھا ہے ....، قدرے محشی بھی ہے، حواشی پر بھی کاتب نے محشی کو "سلمہ اللہ" لکھا ہے، ۱۰۳۲ھ کی کچھ عبارتیں بھی اس نسخہ کے شروع میں درج ہیں۔

آغاز :۔ قولہ علم باحوال اعیان الموجودات، وجہ الشروع بالتعریف سیما اذا اشتمل علی بیان الموضوع۔ الخ

اس کتاب کے آخر میں اسی کاتب کے لکھے ہوئے کچھ اوراق شامل ہیں جنھیں "ھذا من سوانح الوقت" کی سرخی سے شروع کیا گیا ہے، یہ چند مختصر رسائل ہیں، ان میں ایک رسالہ یوسف بن محمد خاں قرہ باغی محمد شاہی کا بھی ہے، جو صلوٰۃ مسنونہ کی تحقیق کے سلسلہ میں ہے، اس رسالہ کے حواشی سے بھی پتہ چلتا ہے کہ صاحب رسالہ کی حیات کا لکھا ہوا ہے، کاتب نے مصنف کو "منہ سلمہ" یا "منہ مدظلہ العالی" وغیرہ جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے، نسخہ بہت اچھا ہے، یوسف بن محمد خاں قرہ باغی وہی ہیں جو "تتمۃ الحواشی فی ازالۃ الغواشی" کے مصنف اور شرح العقائد العضدیہ کے محشی ہیں، ۱۰۴۰ھ سے قبل آپ کا انتقال ہوا ہے۔

(۲۲) **رسالۃ فی فن القیافۃ** - یہ رسالہ سید علی ہمدانی کا مصنفہ ہے، چہار ورقی مختصر رسالہ ہے، لیکن اس کے کاتب ہندوستان کے مشہور عالم مولانا علم اللہ امیٹھوی المتوفی ۱۰۳۳ھ ہیں، عبد الرحیم خانخانان ان کی بہت خدمت کیا کرتا تھا، اور ہمیشہ انعامات و اکرامات سے مالا مال رکھتا تھا[1]، ۱۳ ذی الحجہ ۹۹۳ھ اس رسالہ کی تاریخ کتابت ہے، شروع میں کاتب کے قلم سے اس رسالہ کا نام وغیرہ اس طرح لکھا ہوا ہے:-

"ھذہ رسالۃ شریفۃ فی فن القیافۃ من مصنفات السید السند السید علی الھمدانی"

اسی کے تحت میں مزید تحریر ہے:-

"من من اللہ سبحانہ وتعالی علی اضعف عباد اللہ علم اللہ بن عبد الرزاق جعلھما اللہ من مصطفی عبادہ"

(۲۳) **تلخیص المفتاح** - یہ اس کتاب کا ایک قدیم نسخہ ہے، بہت محشی اور نادر ہے، اصل نسخہ کے اوراق ناقص ہو گئے تھے جو بعد میں پورے کیے گئے ہیں، شروع میں ایک مہر محو شدہ ہے، آخر میں مہر "احمد ایدہ اللہ علی آلائہ" ثبت ہے۔

(۲۴) **حاشیہ مختصر المعانی للخطائی** - قدیم اور عمدہ نسخہ ہے، درمیان اور آخر سے ناقص تھا، مولوی سعد اللہ صاحب خطیب ٹونک نے اسے پورا کیا، شروع میں ان کی مہر اور آخر میں ایک مہر سید محمد ۱۱۸۸ھ جیلانی کی ثبت ہے۔ اس نسخہ پر حواشی کافی چڑھے ہوئے ہیں۔

---

[1] نزہۃ الخواطر۔

(۲۴) **عقود الدرر فی حل ابیات المطول والمختصر** حسین بن شہاب الدین الشامی العاملی کی تصنیف ہے، یہ اس کتاب کا ایک بہترین نسخہ ہے، یہ کتاب دہلی سے طبع ہو چکی ہے، اس کی طباعت کے وقت یہ نسخہ پیش نظر تھا، اول سے آخر تک کثیر محشی ہے، اول میں تین مہریں "مہر شد از مہر محمد علی" ثبت ہیں،

(۲۵) **المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ** - شہاب الدین احمد ابن محمد الخطیب القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ کی تصنیف ہے، یہ نسخہ اس کتاب کا بہت اچھا نسخہ ہے، کاتب کا نام اکرم ہے، لیکن تاریخ کتابت نہیں لکھی ہے، مگر نسخہ مصنف کے زمانہ سے قریب کا ہے، یہ نسخہ امین الدین بن شیخ حافظ جان محمد کی ملک میں بھی رہا ہے، ان کے حواشی بھی اس پر چڑھے ہوئے ہیں، (۴۹۰) اوراق پر مشتمل ہے۔

(۲۶) **تاریخ ذکر الملوک** - فارسی (مع تتمہ)۔ اصل کتاب مولوی عبد الحق صاحب محدث دہلوی کی مرتبہ ہے، اس کا تاریخی نام تذکیر الملوک ہے، اس میں ابتدا سے لیکر اکبر تک کے حالات ہیں، مولوی رفیع الدین صاحب مراد آبادی، شاگرد شاہ ولی اللہ صاحب نے جب یہ رسالہ دیکھا تو اس کا تتمہ لکھا، چنانچہ اکبر کے بعد سے ۱۱۹۴ھ تک کے سلاطین کے حالات جمع کرکے اس کتاب کو پورا کیا، ۲۲ھ جلوس شاہ عالم میں تتمہ کی تکمیل ہوئی، یہ نسخہ آخر سے قدرے ناقص ہے، اس لیے تاریخ کتابت وغیرہ کا ذکر نہیں، ورق ۱۱۱ تک اصل کتاب ہے، اس کے بعد ورق ۱۴۲ تک تتمہ ہے، شروع میں مولوی سعد اللہ اور مولوی فضل حق کی مہریں ثبت ہیں۔

آغاز: اللّٰھم مالک الملک توتی الملک من تشاء۔ الخ

آغاز تتمہ:- بدانکہ دانایان فن تاریخ در احوال ملوک و سلاطین۔ الخ

(۲۷) **امیر نامہ**۔ فارسی۔ بسادن لال شاداں کی تصنیف ہے اور نواب امیر خاں بانی ریاست ٹونک کے حالات پر بنیادی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب تک طبع نہیں ہوئی ہے، پیش نظر نسخہ نواب میر خاں کی زندگی کا لکھا ہوا ہے اس لیے قدیم ہے ۱۲۴۸ھ میں لکھا گیا، کاتب کا نام محو شدہ ہے، کاغذ سفید مجلد اول شنجرفی (۳۰۲) اوراق پر مشتمل ہے، لوح کتاب سے ایک مہر محو شدہ ہے۔

آغاز:- بنام سپہ دار کون و مکاں کہ فتح و شکست است در حکم آں۔ الخ

(۲۸) **محامد علیہ**۔ فارسی میں ٹونک کی تاریخ۔ سید احمد علی سیاب ٹونکی کی تصنیف ہے، نواب محمد علی خاں کے زمانۂ حکومت (۱۲۸۱ھ-۱۲۸۴ھ) میں تصنیف ہوئی۔ ایک مقدمہ اور تین بابوں پر مشتمل ہے، مقدمہ میں بانی ریاست کے اجداد کے اور تینوں ابواب میں تینوں رئیس نواب میر خاں، وزیر الدولہ، اور نواب محمد علی خاں کے حالات ہیں، زبان نہایت شیریں اور ادیبانہ ہے، اب تک یہ کتاب بھی طبع نہیں ہوئی ہے، اور میرے علم میں اس کتاب کا دوسرا نسخہ بھی نہیں آیا ہے، یہ نسخہ آخر سے قدرے ناقص ہے۔

آغاز:- اے درد غمت دارد دل آزاد ہمہ عشق تو دوائی دل انگار ہمہ۔ الخ

(۳۰) **مقالۃ واحدۃ من کتاب جالینوس فی فرق الطب**

کتاب جالینوس فی الاسطقسات علی رأی بقراط

دونوں رسالوں کے مترجم حنین بن اسحاق ہیں، پیش نظر نسخہ ہندوستان کے

نامور طبیب حکیم علویخاں کا لکھا ہوا ہے، پہلا رسالہ (۱۱) اوراق پر اور دوسرا رسالہ (۳۱) اوراق پر مشتمل ہے، کاغذ حنائی، تقطیع کلاں، خط شکست پختہ گنجان، سنہ کتابت ۱۱۴۳ھ ہے، کاتب علام نے ترقیمہ اس طرح لکھا ہے:۔

"تم کتاب جالینوس فی الاسطقسات علی رای بقراط ترجمہ حنین بحمد اللہ ومنہ بید عبدہ مولی العالم ابن میر محمد ہادی محمد ہاشم فی عاشر شہر رجب ۱۱۴۳ھ"۔

نسخہ نہایت نادر و نایاب ہے۔ یہ نسخہ حکیم محمد اکبر المسمی والمخاطب حکیم علی خاں کی ملک میں بھی رہا ہے، موصوف کے قلم سے شروع میں درج ہے:

"بخط حکیم علویخاں مرحوم المخاطب بہ حکیم معتمد الملک" اور ایک گوشہ میں "عنایت حضور" لکھا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ شاہی کتب خانہ سے حکیم محمد اکبر کو بادشاہ کی جانب سے عطا ہوا۔

آغاز رسالہ اول:۔ قال جالینوس ان قصد الطبیب التماس الصحۃ وغایتہ احراز الصحۃ۔ الخ

آغاز رسالہ دوم: قال جالینوس لما کان الاسطقس اقل جزءاً مما ھو لہ اسطقس۔ الخ

(۲۹) **منحۃ الشفاء**۔ یہ رسالہ میر محمد مہدی المخاطب بہ حکیم الملک اردستانی کے مجربات پر مشتمل ہے، جو عالمگیری دور کے بڑے امرا اور مقربین میں تھے، اور عالمگیر ہی کی جانب سے انھیں حکیم الملک کا خطاب ملا تھا، مآثر الامراء وغیرہ میں ان کے حالات موجود ہیں، یہ نسخہ حکیم محمد اکبر کے قلم کا لکھا ہوا ہے، خط شکست نہایت پختہ ہے، تاریخ کتابت درج نہیں، کاتب نے اختتام کی عبارت اسطرح لکھی ہے:

"تمت ہذہ النسخۃ الشریفۃ بسرعۃ التمام بید الفقیر الحقیر الاحقر محمد اکبر المسمی والمخاطب حکیم علی خاں، اکثر نسخہا کہ دریں کتاب نوشتہ شدہ بخط اوست۔"

حکیم علویخاں کے قلم کے لکھے ہوئے مذکورہ دونوں رسالے ان ہی حکیم محمد اکبر کو بادشاہ کیجانب سے عنایت ہوئے تھے، یہ رسالہ بھی بہت اچھا ہے، اس رسالہ کے ساتھ ساتھ ذیل کے رسائل طبیہ بھی شامل ہیں:-

(۱) - کتاب الاکتفاء بالدواء من خواص الاشیاء،

(۲) - رسالۃ شیخ الرئیس فی مسائل معدودہ،

(۳) - رسالۃ فی اصلاح الادویۃ المسہلۃ من کتاب المنصوری۔

(۴) - مقالۃ فی النبض والقارورۃ لمحمد بن زکریا الرازی،

(۵) - رسالۃ فی الادویۃ القلبیۃ للشیخ الرئیس۔

(۶) - رسالۃ فی اعمار الادویۃ مفردۃ و مرکبہ۔

(۷) - رسالۃ فی الاسامی لابی منصور بن الحسین بن نوح القمری۔

یہ جملہ رسائل خوشخط لکھے ہوئے ہیں، لیکن تاریخ کتابت وغیرہ کا ذکر نہیں، مگر یہ بھی مذکورہ کتابوں کے ساتھ شامل ہیں اور اسی دور کے لکھے ہوئے ہیں، اور ان اطبا کی ملکیت میں رہے ہیں جنکا اوپر ذکر ہوا ہے۔

(۳۰) **قانون شیخ** - شیخ بوعلی سینا کی مشہور تصنیف کی ایک جلد ہے، جو نہایت خوشخط اور طلائی و مینا کار بھی ہے، لیکن جگہ جگہ سے مقطوع و آب رسیدہ ہونے کی وجہ سے ناقص ہے، اس لیے کاتب و تاریخ کتابت کا پتہ نہیں چلتا، اس جلد میں صرف کتاب اول ہے، جگہ جگہ تحشی کی گئی ہے، اطبا و فضلا کے پاس بھی یہ نسخہ رہا ہے،

ابتدائی دو مضمون پر طلائی و لاجوردی میناکاری ہے، جو امتداد زمانہ سے بوسیدہ ہوگئی ہے، دو ورق بعد فہرست کے اختتام پر ایک مہر مدور ثبت ہے، جس میں "بندۂ آل احمد حاجی شیخ محمد" کندہ ہے، مہر کا ۱۰۸۰ھ؁ معلوم ہوتا ہے، ورق اول سے کچھ عبارتیں چیٹ زدہ ہیں، ایک چیٹ کے ہٹانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ پچاس درہم مسکوکہ میں، شہر کابل میں محمد حافظ بن امیر یوسف بن امیر محمد البرغری نے خریدا تھا، اسی کے ساتھ کسی امیر کبیر کی کچھ عبارت بھی لکھی ہے، لیکن وہ حصہ چیٹ زدہ ہے، نسخہ اچھا ہے،

(۳۱) **شرح قانون** - از حکیم علی گیلانی

پیش نظر نسخہ تعلیم ثالث سے کتاب اول کے اختتام تک ہے، کاتب نے اپنا نام اور تاریخ کتابت نہیں لکھی ہے، اول سے آخر تک مجدول طلائی اور خط پختہ ہے، آخر تک تحشی کی گئی ہے، نسخہ اچھا ہے، ۷ رمضان ۱۲۸۶ھ؁ کو یہ نسخہ محمد مرزا ابن حکیم فاخر الدین خاں نے ابو داؤد خیرآبادی تاجر کتب سے خرید کر اپنے استاد مولوی حکیم عبد الکریم خاں کو ہدیۃً بھیجا تھا اس عبارت کے ساتھ دو مہریں "محمد مرزا ۱۲۸۱ھ؁" اور "محمد مرزا ابن محمد فاخر الدین خاں ۱۲۸۲" ثبت ہیں، عبد الکریم خاں کے قلم سے یہ عبارت لکھی ہے:-

"تم تقبل الھبۃ من محمد عبد الکریم عفی عنہ۔"

(۳۲) **رسالۃ تفتیح المراق والاحتراق** - حکیم مراد خاں حنفی قادری کی تصنیف ہے، مراق اور احتراق امراض مشتبہ میں ہیں، اس لیے مراد خاں نے ۱۱۹۴ھ؁ میں ان امراض پر یہ مستقل رسالہ عربی میں تصنیف کیا، اچھا رسالہ ہے،

پیش نظر نسخہ آخر سے قدرے ناقص ہے۔

آغاز:۔ الحمد للہ الحکیم الذی ہو بالحمد حقیق۔ الخ

(۳۳) **علم المکتسب فی زراعۃ الذہب**۔ ابو القاسم محمد العراقی المتوفی ۵۸۰ھ کی مشہور اور نادر تصنیف ہے، اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے، اور معتبر کتابوں میں شمار ہوتی ہے، اسی کتاب کا یہ ایک نادر نسخہ ہے، تاریخ کتابت وغیرہ اگرچہ درج نہیں لیکن نسخہ اچھا اور قدیم ہے، کہیں کہیں تحشی بھی ہے۔ اور تصحیح بھی کی گئی ہے، شروع میں مولوی فضل حق خطیب ٹونک کی مہر ثبت ہے۔

آغاز:۔ الحمد للہ الاول الذی لا اول لہ والآخر الذی لا نہایۃ لہ۔ الخ

ان نوادر کے تذکرہ کے بعد تیمناً وتبرکاً قرآن مجید کے دو بہتر نسخوں کا ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۳۴) ۱۔ **قرآن مجید**۔ یہ نسخہ قرآن کا ایک نہایت خوشخط نسخہ ہے، مغل دور کا لکھا ہوا ہے، کاغذ حنائی کشمیری، تقطیع متوسط، مجدول طلائی ولاجوردی، بین السطور مجدول طلائی، نہایت خوشخط، اوراق ۵۳۵ ہیں، کاتب محمد زاہد ہیں، تاریخ کتابت بھی درج ہے، لیکن افسوس ہے کہ وہ مقام جہاں صدی کا اندراج تھا، محو کر دیا گیا ہے، اختتام کی عبارت کاتب نے اس طرح لکھی ہے:

"کاتبہ فقیر محمد زاہد عفی عنہ سنۃ اربع وثمانون بعد ......"

یہ آخر کا لفظ مٹا دیا گیا ہے، پھر بھی کتابت وغیرہ کے طرز سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ گیارہویں صدی کا ہونا چاہیے، اول سے آخر تک کاتب نے کتابت کی یکسانی خط کی پختگی اور طلائی جدول کا پورا اہتمام کیا ہے، حاشیہ پر مختلف قراتوں کا اندراج ہے۔

آیات طلائی ہیں، ہر رکوع کو ظاہر کرنے کے لیے حاشیہ پر طلائی دائرہ دیا گیا ہے، اسی طرح ربع، نصف، ثلث، پارہ اور سجدہ کو واضح کرنے کے لیے حاشیہ پر مختلف قسم کے طلائی پھول بنائے گئے ہیں، ابتدائی دو صفحوں پر پوری میناکاری طلائی ولاجوردی ہے، اسکے بعد کے دو صفحوں پر طلائی جدول کے ساتھ ساتھ حاشیہ پر بھی طلائی گلکاری کی گئی ہے، اور اسی طرح کی گلکاری ہر منزل کی ابتدا میں دونوں صفحوں پر موجود ہے، ابتدا کی طرح اختتام کے دونوں صفحوں پر بھی میناکاری ہے، آخر میں اوراد، دعاؤں کیساتھ کتاب ختم کی گئی ہے، نسخہ نہایت بہتر مطلّی اور مذہب ہے۔

(۳۵) ۲۔ **قرآن مجید**۔ قرآن کا یہ نسخہ اگرچہ مطلّی ومذہب نہیں ہے لیکن یہ اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ اس میں حواشی پر تمام قراتوں کے اندراج اور تجوید کے مسائل کی وضاحت کا پورا اہتمام کیا گیا ہے، مصحف کی رسم کتابت کے سلسلہ میں بھی نوٹ دیے گئے ہیں، اس کے علاوہ حواشی پر بعض دوسرے مسائل کو بھی واضح کیا گیا ہے، یہ حواشی قرات کی معتبر کتابوں کے حوالہ کے ساتھ دیے گئے ہیں، یہ نسخہ بھی نہایت خوشخط ہے، کاغذ سبز مجدول شنجرفی ولاجوردی۔ ہر صفحہ پر گیارہ سطریں ہیں، اول، درمیانی اور آخری سطور ہر صفحہ پر شنجرفی ہیں، باقی سطور مدادی ہیں، ابتدائی دو صفحوں پر طلائی ولاجوردی میناکاری کی گئی ہے، کاتب محمد یونس ہیں، رمضان میں اس نسخہ کی تکمیل ہوئی، سنہ کتابت کا اندراج نہیں، آخر میں ایک صفحہ پر حروف وکلمات کے ذریعہ قراء کے رموز کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اس کے بعد ایک دائرہ "ترغیب القراء وتہذیب الاداء" سے نقل کیا گیا ہے جس میں مختلف قراء کی جانب سے "تعوذ" کی آٹھ شکلیں ظاہر کی گئی ہیں، مسائل قرات کے لحاظ سے یہ نسخہ سابق نسخہ سے زیادہ اہم ہے۔

باب التقریظ والانتقاد

الارکان الاربعہ (عربی)

مصنفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تقطیع بڑی ضخامت ۲۸۵ صفحات، کاغذ اعلیٰ، مطبوعہ بیروت، قیمت تحریر نہیں۔

عبادات کا مقصد اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت و تذلل، عجز و درماندگی اور اسکی عظمت و کبریائی کا عملی اعتراف اور اسکے ذریعہ تعلق مع اللہ کا قیام ہے، اخلاقی و روحانی تزکیہ و تطہیر اسکے نتائج و ثمرات ہیں، اسلام میں اس کا ذریعہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں، ان کے ظاہری ارکان کی حیثیت جسم کی ہے، اس کی اصل روح وہ کیفیت ہے جو اخلاص فی العمل سے پیدا ہوتی ہے اور زندگی کا نقطۂ نظر اور مقصود و مطلوب بدل دیتی ہے، ان عبادات کے فقہی ہی مسائل فقہ کی تمام کتابوں میں موجود ہیں، لیکن ان کی دینی و روحانی حکمتوں اور ان کی مطلوب کیفیتوں پر بہت کم لکھا گیا ہے، امام غزالی نے احیاء العلوم میں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں ان کے اسرار و حکم بیان کیے ہیں لیکن وہ مختصر ہیں، اور ان میں جدید ذہن کی تشفی کا پورا سامان نہیں ہے، اردو میں سب سے مبسوط بحث سیرۃ النبی میں ہے، لیکن اس میں بھی انکے معنوی پہلو کی پوری تفصیل نہیں، اکابر صوفیہ کی کتابوں میں عبادات کی اصل روح اور انکے مقصود و مطلوب سے تعلق بہت مفید باتیں ملتی ہیں، لیکن وہ مومنین کے لیے ہیں، منکرین اور متشککین کے لیے کافی نہیں، اس لیے ضرورت تھی کہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی جائے،

جس میں اسلام کے ارکان اربعہ کی حکمتوں کو تفصیل کے ساتھ اس انداز میں پیش کیا جائے جو قدیم و جدید دونوں ذہنوں کے لیے موثر اور قابل قبول ہو، یہ سعادت بھی اُس ذات کے حصہ میں آئی جس کا قلم و زبان اسلام کی دینی روح کی صحیح تعبیر و ترجمانی اور مسلمانوں کی تجدید و اصلاح کے لیے وقف ہے۔

دینی حیثیت سے پوری دنیائے اسلام کا حال یکساں ہے، ان کے مقابلہ میں ہندوستان بہت غنیمت ہے، اس لیے مصنف کی مخاطب پوری دنیائے اسلام ہوتی ہے۔ اسی لیے انھوں نے اپنی اہم تصانیف میں اظہار خیال کا ذریعہ عربی زبان کو بنایا ہے، چنانچہ یہ کتاب بھی عربی میں ہے، اس کے تعارف کا پورا حق مختصر تبصرہ میں ادا نہیں کیا جا سکتا، اس کی خوبیوں، مباحث کے تنوع، جامعیت، ان کی تعبیر میں مصنف کی دقت نظر، دقیقہ سنجی و نکتہ رسی اور تحریر کی تاثیر و دلنشینی کا پورا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، اس کتاب کا مغز اور لب لباب مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ عبد و معبود کے تعلق، اس کے قیام کے وسائل، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی حقیقت، ان کے مقصود و مطلوب، انکی حکمتوں اور مصلحتوں، تعلق مع اللہ کے قیام میں ان کی تاثیر اور اس کے اثرات و نتائج کے متعلق جو کچھ بھی کہا جا سکتا ہے وہ سب اس میں موجود ہے، اور مصنف نے اس کو اس حکیمانہ اور وجدانی و ذوقی انداز میں پیش کیا ہے کہ دل و دماغ دونوں اس سے متاثر ہوتے ہیں، اور جدید سے جدید ذہن بھی اس سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، خصوصاً اسکی نازک احسانی کیفیتوں کو جس طرح دکھایا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے، ان کی تعبیریں "انچہ از دل خیزد بر دل ریزد" کی مصداق ہیں، یہ کیفیت کتاب کی سطر سطر سے ٹپکتی ہے جس سے ان عبادات کی روح دل میں اتر جاتی ہے، اور ان تمام مباحث میں مصنف

کو قلم قرآن مجید اور احادیث کے دائرے سے باہر نہیں نکلا ہے، جزئیات تک میں احادیث سے استشہاد کیا گیا ہے، جدید ذہن کے مصلحین سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی فوائد کی روشنی میں ان عبادات کی تشریح کرتے ہیں، مصنف نے ان کی پوری تردید کی ہے، ان فوائد سے انکار نہیں لیکن وہ ضمنی ہیں، ان کا اصل مقصد تعلق مع اللہ کا قیام اور اس سے پیدا شدہ اثرات و نتائج ہیں، اس اعتبار سے یہ کتاب عقل و نقل، روایت و درایت اور ذوق و وجدان کی جامع ہے، اور اس کو ارکان اربعہ کے حکم و مصالح کی وضاحت و تشریح میں جدید حجۃ اللہ البالغہ کہہ سکتے ہیں،

خدا کی عبادت و پرستش، ترک یا تقلیل غذا کے ذریعہ روحانی ریاضت، غریبوں کی امداد و دستگیری اور خیرات و صدقات، دینی آثار و مشاہد کی زیارت اور ان سے برکت اندوزی تمام مذاہب میں ہے، کوئی مذہب بھی اس سے خالی نہیں، یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کسی نہ کسی شکل میں تمام مذاہب میں پائے جاتے ہیں، لائق مصنف نے اسلامی ارکان اربعہ سے ان کا موازنہ کر کے دکھایا ہے کہ دوسرے مذاہب کی یہ عبادتیں ناقص اور بگڑی ہوئی شکل میں ہیں، ان سب کا مقصود بھی تعلق مع اللہ نہیں، زیادہ تر رسمی ہیں، اس لیے ان سے وہ نتائج بھی حاصل نہیں ہوتے، ان کے مقابلہ میں اسلامی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ زیادہ فطری، زیادہ مکمل اور تقرب الی اللہ اور اس کے اثرات و نتائج کے لیے زیادہ موثر و مفید ہیں،

ان چاروں ارکان میں حج عاشقانہ عبادت ہے، اسلیے مصنف کے قلم میں بھی مستی آگئی ہے، اس کے آثار و مشاہد کی حکمتوں میں سے ایک دلنشین حکمت یہ بیان کی ہے کہ انسانی فطرت اپنے مطلوب اور مرکز عقیدت کا جلوہ محسوس پیکر میں بھی دیکھنا چاہتی ہے، ابتدا میں تو یہ حال تھا کہ

خوگر پیکر محسوس تھی انسان کی نظر ماننا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر

اسی سے بت پرستی کی بنیاد پڑی

ذوقِ حضور در جہاں رسمِ صنم گری نہاد عقل فریب می دہد جانِ امیدوار را

اسلام نے ایک طرف توحید و تنزیہ کا یہ بلند تصور پیش کیا کہ "لیس کمثلہ شئی" دوسری طرف پیکر محسوس کی طلب و تشفی کا سامان آثار و مشاہد کی صورت میں کیا، جہاں مادی شکل میں خدا کا اصلی گھر، قدم قدم پر اس کی جلوہ گاہیں اور اسلامی آثار و مشاہد مجسم شکل میں موجود ہیں، جن سے پیکر محسوس کی طلب کی پوری تشفی ہو جاتی ہے،

یہ کتاب عربی زبان پر مصنف کی غیر معمولی قدرت اور اعلیٰ ادبی ذوق کا نمونہ اور پوری کتاب ادبی لطافتوں سے معمور ہے، جس سے ذوق ادب لذت گیر ہوتا ہے، مصنف نے جیسی دقیق اور نازک بحثیں کی ہیں، اردو زبان مشکل سے ان کی متحمل ہو سکتی تھی، لیکن اردو والوں کو اس سے محروم رکھنا مناسب نہیں ہے، اس کی ادبی خوبیوں کے ساتھ اردو میں اس کو منتقل کرنا بہت دشوار ہے، بہتر ہے کہ مصنف خود اس کا مفہوم اردو میں املا کرا دیں، تاکہ اردو خواں بھی اس سے استفادہ کر سکیں، مصنف کی تمام کتابوں میں یہ کتاب شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس لائق ہے کہ کوئی پڑھا لکھا مسلمان اس کے مطالعہ سے محروم نہ رہے، اور وہ دینی مدارس کے نصاب میں داخل کیجائے، اگر ان کی یہی ایک تصنیف ہوتی تو ان کے فخر کے لیے بالکل کافی تھی۔" م

مطبوعات جدیدہ

ترکان عثمان ۔ مرتبہ جناب ڈاکٹر محمد صابر صاحب، تقطیع متوسط، کاغذ عمدہ، کتابت وطباعت معمولی، صفحات ۲۷۲، قیمت عہ ر، ناشر قیصر جہاں بیگم C/26 یونیورسٹی کیمپس کراچی۔

خلافت عثمانیہ کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کے گہرے جذباتی تعلق کی بنا پر اسکی تاریخ پر اردو میں متعدد کتابیں تصنیف و ترجمہ کی گئیں، دار المصنفین سے بھی تاریخ اسلام کے سلسلہ میں دولت عثمانیہ کی تاریخ شائع ہوئی، مگر ان کتابوں میں براہ راست ترکی ماخذوں سے استفادہ نہیں کیا گیا تھا، لائق مصنف نے اس کمی کو پورا کیا ہے، وہ ترکی زبان سے پوری طرح واقف اور کراچی یونیورسٹی میں اس زبان کے استاد ہیں اور استنبول یونیورسٹی سے سولہویں صدی کے ایک مشہور ترکی شاعر و ادیب امیر علی شیر نوائی پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے چکے ہیں، ان کو ترکی کے قیام کے زمانہ میں وہاں کے اہل علم فضلا اور مختلف کتب خانوں سے استفادہ کا موقع ملا ہے، اس لیے اس کتاب کی تالیف میں عربی اور یورپین تصنیفات کے علاوہ ترکی ماخذوں سے بھی پورا استفادہ کیا گیا ہے، اور مصنف نے بڑی محنت اور تلاش و تحقیق سے بھی کام لیا ہے، اس حیثیت سے یہ کتاب بڑی قابل قدر اور پر از معلومات ہے۔

یہ کتاب کا پہلا حصہ ہے اور اس میں امیر عثمان خاں غازی ۱۲۹۹ء سے سلطان

یلدرم بایزید خاں اول ۱۴۰۲ء تک چار عثمانی سلاطین کے حالات اور انکے عہد حکومت کے واقعات ہیں، شروع میں آل عثمان کا شجرۂ نسب، ان کے حالات و بعض دیگر متفرق واقعات اور آخر میں ان کے دور حکومت کے دینی و فوجی کارنامے اور زرعی انتظامات پر مفصل اور موجودہ جمہوریہ ترکیہ پر اجمالی گفتگو کی گئی ہے، سب سے آخر میں اہم واقعات و فتوحات وغیرہ کی ہجری و عیسوی سنین کے اعتبار سے فہرست درج ہے۔ لیکن زبان و بیان میں شگفتگی کی کمی اور کتاب کی قیمت زیادہ ہے۔

تنقید و تجربہ ۔ مرتبہ جناب جمیل جالبی صاحب، تقطیع خورد، کاغذ عمدہ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۲۰۶، مجلد مع گرد پوش، قیمت ۶ر ۵۰ پیسے
پتہ: مشتاق بک ڈپو شیلڈرن روڈ، کراچی ۱

یہ کتاب پاکستان کے مشہور صاحب قلم جناب جمیل جالبی کے دو درجن ادبی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے، ان میں ادب اور ادیبوں کے متعلق اظہار خیال کیا گیا ہے اور ادب کی اہمیت، زندگی اور تہذیب سے اس کے ربط، اس میں فکر و نظر و روایت کی ضرورت، ادیبوں کی ذمہ داری اور ان کے اور ادب کے جمود و تعطل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، چند اصحاب شعر و ادب میر درد، شیفتہ، ظفر، فراق، مجاز، میراجی اور نذیر احمد، منشی سجاد حسین، مہدی افادی، اور حسن عسکری کی ادبی خدمات پر تبصرہ کیا گیا ہے، اور آخر میں پانچ مغربی ادیبوں اور شاعروں کا تعارف اور ان کے فنی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے، مصنف کے بعض خیالات میں تازگی اور جدت پائی جاتی ہے، گو ان کی تمام رایوں سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا، مثلاً وہ غلبۂ مذہب کو شعر و ادب کے لیے مضر بتاتے ہیں، جو کلیہ کی شکل میں صحیح نہیں ہے، سچی اور حکیمانہ شاعری اور

مذہب میں کہیں تصادم نہیں، لیکن جہاں خرافات اور مذہب میں تصادم ہو جائے وہاں ظاہر ہے کہ خرافات قابل ترک ہوں گے، مصنف کے انداز بیان سے کہیں کہیں مذہب کا بھی استخفاف ہو گیا ہے، شاعری کیا ایسا ادب بھی خرافات میں شامل ہے۔ ان خامیوں سے قطع نظر مصنف جدید ادبی و تنقیدی رجحانات سے باخبر ہیں اور یہ مضامین انھوں نے فکر و مطالعہ کے بعد لکھے ہیں جن سے تنقیدی و ادبی بصیرت حاصل ہوتی ہے، انداز تحریر شگفتہ اور ظرافت آمیز ہے۔

میکالے کا نظریۂ تعلیم ۔ مترجمہ عبد الحمید صدیقی صاحب، تقطیع خورد، کاغذ کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۷۲، قیمت عمر پتہ: ردہیلکھنڈ لٹریری سوسائٹی ۱۹ ؍ بی ون ایریا، لیاقت آباد کراچی ۱۹۔ ہندوستان میں: مکتبہ تجلی دیوبند یوپی

لارڈ میکالے نے برطانوی پارلیمنٹ کے ۱۸۱۳ء کے قانون کے برخلاف ۱۸۳۵ء میں نظام تعلیم کو تبدیل کرنے کے لیے گورنر جنرل کو جو یادداشت پیش کی تھی اور جس کا مقصد مشرقی علوم خصوصاً سنسکرت اور عربی تعلیم کو ختم اور انگریزی تعلیم کو رائج کر کے "ہندوستانی انگریز" تیار کرنا تھا، یہ کتابچہ ان ہی سفارشات کا شگفتہ اور سلیس ترجمہ ہے، لائق مترجم نے جابجا حواشی میں میکالے کے خیالات و دلائل کا تار و پود بکھیرا ہے۔ اور شروع میں ایک مفید مقدمہ میں انگریزوں کی ان مذموم کوششوں کا بھی جائزہ لیا ہے جو انھوں نے مسلمانوں کی ایمانی قوت کو ختم اور ان کو انکی تہذیب و روایات سے بیگانہ بنانے کے لیے کی تھیں، اس ضمن میں تعلیم اور قومی زبان کی اہمیت بھی ثابت کی ہے، یہ کتابچہ ایک تاریخی دستاویز ہے اور انگریزوں کے بعد بھی ہند و پاک میں کم و بیش ان ہی کا نظام تعلیم رائج ہے، اس لیے تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے خصوصیت سے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

"ض"

جلد ۱۰۱ ۔ ماہ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ مطابق ماہ جون ۱۹۶۸ء ۔ عدد ۶

مضامین